حیوانی زندگی کی دلچسپ باتیں

مؤلفہ

ایس - ایم - محسن (محشر عابدی)
بی - اے ، ایم - ایس - سی ، پی - ایچ - ڈی (عثمانیہ)

ریڈر زوالوجی عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد (آندھرا پردیش)

پیش کردہ:- تلگو ، اُردو اکیڈیمی برائے سائنس و تاریخ
آندھرا پردیش - حیدرآباد دکن

مطبوعہ:- انتخاب پریس
جواہرلال نہرو روڈ حیدرآباد (آندھرا پردیش)

۱۹۶۰ء

صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد تلگو اُردو اکیڈیمی حیدرآباد کی جانب سے
۳ ۔ اگست سنہ ۱۹۶۰ع کو راشٹر پتی نیلائم، بلارم، حیدرآباد میں مصنف ڈاکٹر محشر عابدی
(بائیں جانب سے پہلے) کو ان کی کتاب « حیوانی زندگی کی دلچسپ باتیں » عطا فرما رہے ہیں ۔

فہرست مضامین

ڈیڈیکیشن

استاد محترم ڈاکٹر بی - کے داس (آنجہانی)

سابق پروفیسر و صدر ، شعبہ زوالوجی ،

عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے

نام

جن کے نور علم سے ایک ذرہ ناچیز میں

تابش، کی صلاحیت پیدا ہوئی -

تعارف

زیر نظر کتاب « حیوانی زندگی کی دلچسپ باتیں »
(The Charms of Animal Life) سید محمد محسن صاحب
ایم-ایس سی- پی ایچ-ڈی ریڈر زوالوجی (حیوانیات) کی تالیف
ہے- مولف ہندوستان میں اپنے ادبی نام (محشر عابدی) سے
مشہور ہیں-

ڈاکٹر محشر عابدی « اُردو ادب » میں اپنا ایک مقام پیدا
کر چکے ہیں وہ بہ یک وقت افسانہ نگار، شاعر اور سائنس داں
ہیں- انہوں نے ہمیشہ « معیاری اور سنجیدہ ادب » اُردو دنیا کے
سامنے پیش کیا ہے اور گذشتہ چند سالوں سے « اُردو ادب » کے
تہی دامن کو « حیاتیاتی سائنس » کے جواہر پاروں سے بھرنے
کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں- انہوں نے پہلے بھی سائنس کی چند
کتابیں لکھیں ہیں جن میں « حیات کیا ہے؟ اور « نسلیات » قابل
ذکر ہیں-

« حیوانی زندگی کی دلچسپ باتیں » جیسا کہ نام سے ظاہر
ہوتا ہے ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے جس میں حیوانی زندگی کے
تقریباً ہر پہلو کو بڑے دلکش پیرائے میں پیش کیا گیا ہے- کتاب کی

زبان سادہ ، ستھری ، موثر اور عام فہم ہے اور اسکا مطالعہ ایک غیر سائنس داں کیلئے بھی اتنا ہی ضروری اور مفید ہے جتنا ایک سائنس داں کے لئے -

(پروفیسر) محمد سعید الدین
ایم - اے - (ایڈنبرا)
سابق صدر شعبہ باٹنی (نباتیات) ، و
پرنسپل سائنس کالج عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد (آندھرا پردیش) -

عرض مولف

موجودہ دور کو اگر « سائنسی دور » کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا - ہر شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ سائنسی علوم کی دنیا کی بہت سی زبانوں میں بتدریج افراط ہوتی جارہی ہے - اور وہاں کے عوام کو انکی اپنی زبانوں میں « گراں بہا سائنسی ادب » مہیا کیا جارہا ہے اور اسکی ضرورت بھی شدید ہے -

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ « اُردو ادب » کا دامن ابھی « سائنسی ادب » سے بہت خالی ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ « دامن اُردو » کو مختلف طریقوں اور ذریعوں سے « سائنسی ادب » سے بھرنے کی سعی جاری رکھی جائے -

زیر نظر تالیف ایسی ہی ایک کوشش ہے - اس میں حیوانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سائنسی نقطۂ نظر سے پیش کیا گیا ہے لیکن فنی اور اصطلاحی باتوں کو اتنا سہل اور عام فہم بنا دیا گیا ہے کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ سکے -

اس پیشکش کے سلسلہ میں ، میں تلگو اور اُردو اکیڈیمی برائے سائنس و تاریخ آندھرا پردیش کے صدر آنریبل جناب

کالیشور راؤ صاحب اور ڈاکٹر پی - سرینواس چار، جنرل سکریٹری
کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی اشاعت کے تعلق سے میری
ہمت افزائی فرمائی - جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
پرنسپل چادر گھاٹ کالج حیدرآباد کا بھی میں مشکور ہوں -
ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں
مفید مشورے دئے اور ہر طرح معاونت فرمائی -

اس کتاب کی قلمی تصویریں جناب سید شاہ حسین صاحب
قادری بی - ایس سی (عثمانیہ) نے بنائی ہیں - اور فوٹو بلاکس
جناب احتشام الدین صاحب پروپرائٹر عظیم ہاف ٹون ورکس،
حیدرآباد (آندھرا پردیش) نے تیار کئے ہیں ہر دو حضرات میرے
شکریہ کے مستحق ہیں -

اپنی بعض تقریروں کے لئے، جو اس مجموعہ میں شامل ہیں،
میں آل انڈیا ریڈیو، حیدرآباد کا بھی مشکور ہوں جسکی اجازت
سے یہ شائع کی جا رہی ہیں -

شعبہ زوالوجی - عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن (آندھرا پردیش)
یکم آگسٹ - سنہ ۱۹۶۰ع

محشر عابدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

حیوانیات (زوالوجی) کا علم کیوں ضروری ہے؟

زمین کی سطح پر ہزاروں قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں جاندار بھی شامل ہیں اور بے جان بھی۔ جانداروں میں نباتات، حیوانات اور خود انسان بھی شامل کیا جاتا ہے لیکن انسان اپنی ذہانت اور سمجھ کے لحاظ سے ان تمام حیوانوں سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

نباتیات (باٹنی) کو یہاں اس لئے نظر انداز کیا جاتا ہے کہ نباتات اور انسان میں کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں پائی جاتی۔ البتہ حیوانوں اور انسانوں میں چونکہ بہت زیادہ تعلق ہے اس لئے ہم ان (یعنی حیوانوں) کا بیان ضروری سمجھتے ہیں۔ انسان حیوانوں کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اور بعض حیوانات تو انسان کی ابتدائی تاریخ سے ابتک برابر اس کے رفیق اور ہمدرد چلے آرہے ہیں انسان زندگی کے تغیرات سے اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح دوسرے حیوانات۔ انسان حیوانوں کی طرح پیدا ہوتے، نشو و نما پاتے، عمر طبعی کو پہنچتے اور پھر آخر میں زندگی

ختم کر دیتے ہیں۔ حیوانوں کے مانند انسان بھی زندہ رہنے کے لئے اور اپنی آئندہ نسلوں کی بقاء کے لئے کشمش زندگی میں حصہ لیتے ہیں، حیوانی اور انسانی ضروریات زندگی — یعنی غذا حاصل کرنے کے طریقوں، رہنے کے لئے گھر، دشمنوں سے حفاظت کا سامان، لڑکپن میں آزادی اور کھیل تماشے اور بڑے ہونے کے بعد کام اور محنت — میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ انسان کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے جو بنیادی باتیں ہیں وہ انسان اور حیوان دونوں میں مشترک ہیں۔ یہی وہ مشابہت اور یکسانیت ہے جس کی وجہ سے ہم حیوانوں کی زندگی کو دلچسپی سے دیکھتے اور ان کے عادات و اطوار کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہم اپنے پالتو جانوروں کے کھیل تماشے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں مگر ان سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔ ہم جنگلوں میں جاتے اور جنگل میں رہنے والے حیوانات کے طور طریقوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ چڑیا گھر یا حیوانیاتی باغوں میں جا کر مختلف ملکوں کے حیوانوں کے نقش و رنگ دیکھتے اور تربیت یافتہ حیوانوں کے کرتب اور کام، سرکس اور اسی قسم کے دوسرے مقامات پر دیکھ کر ان کی دماغی صلاحیتوں کا اندازہ لگاتے ہیں۔

انسان سالہا سال سے حیوانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے میں خاص خوشی محسوس کرتا چلا آرہا ہے، اور انکے نقش و نگار، ان کی شکل و ساخت، ان کے حرکات و افعال، انکے

عادات و اطوار ، ان کے لڑنے جھگڑنے کے انداز ، ان کے کھانے پینے کے طریقے اور ان کی اولاد کی پرورش کی صلاحیت ، ایسی باتیں ھیں جن سے وہ بہت خوش ہوتا ھے ۔ دنیا میں حیوانوں سے زیادہ کسی چیز نے انسان کو اپنی طرف متوجہ نہیں کیا ۔ انسان نے کسی دوسری چیز میں اتنی کشش نہیں پائی ۔ حیوانوں نے انسانی دماغ کو جیسے جیسے اس نے ذھانت میں ترقی کی بہت زیادہ متاثر کیا ھے اور متاثر کرنے کے یہ طریقے بڑے مختلف ھیں ۔ بہت ہی پرانے زمانے میں انسان نے یہ خیال کیا کہ حیوانات بھی جسم اور جان کے اعتبار سے قطعی طور پر انسان سے مشابہ ہوتے ھیں ۔ چنانچہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان حیوانوں کی بعض چالاکیوں اور خصوصیات سے متاثر ہوکر ان کی پوجا کرنے لگا ۔ اس نے ان حیوانوں کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے طرح طرح کی نئی نئی باتیں سوچنا شروع کردیں چنانچہ وہ حیوانوں کے ناخن ، دانت ، کھال اور پر استعمال کرنے لگا ۔ کئی وحشی قوموں میں تو یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ انسان بھی بعض خاص قسم کے حیوانوں کی نسل سے ھے اور وہ اس حیوان کا مجسمہ بناکر اپنے خاندان کی خصوصیات کو ظاہر کرنے کیلئے اپنے گھروں میں رکھ لیتے تھے ۔

لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا انسان ان خیالات سے دور ہونے لگا اور آخر میں اس انتہا کو پہنچ گیا کہ انسان کا درجہ « سب سے بڑا ھے » اور یہ کہ اسے دوسرے باقی حیوانوں سے کوئی نسبت

نہیں ہوسکتی۔ انسان اور دوسرے حیوانوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔
لیکن موجودہ سائنس کی ترقی کے دور میں وہ تمام باتیں بہت صاف
اور واضح ہوگئی ہیں جن سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ انسانوں
اور حیوانوں میں بہت زیادہ یکسانیت اور مشابہت پائی جاتی ہے اور
دونوں میں جو اختلافات موجود ہیں وہ بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔
چنانچہ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ شکل و صورت،
جسمانی ساخت، افعال، نشو و نما کے طریقوں اور جبلت (یعنی
پیدائشی عادتوں) کے لحاظ سے حیوانوں اور انسانوں میں بہت
زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے، چنانچہ ایک تندرست و توانا حیوانی
جسم رکھنے ہی پر انسان کی تمام خوشیوں اور راحتوں کا انحصار ہے۔

ہمارا جسم بالکل اسی نہج اور اسی نمونہ پر بنا ہوا ہے
جیسا کہ بعض دوسرے اونچے درجہ کے حیوانوں (مثلاً چوپائے یا
انسان نما بندر، گوریلا، چمپانزی وغیرہ) کا ہوتا ہے۔ جب ہم
انسان کے جسم کا مقابلہ حیوانی جسم سے کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ
انسانی جسم کا ہر حصہ یا ہر عضو مثلاً کان، آنکھ، جگر، پھیپڑے
انگلیاں اور ناخن، جسم کے اور دوسرے اندرونی اور بیرونی اعضا
بہت سی اور دوسری چھوٹی سی چھوٹی باتوں میں بھی حیوانوں کے
انہیں اعضا سے مشابہ ہوتا ہے اور دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں
ہوتا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ « انسان » بھی « حیوانی دنیا کا ایک
رکن » ہے۔

اگر انسان کی جسمانی بناوٹ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک ریڑھ کی ہڈی رکھنے والا حیوان ہے اور اسکا تعلق حیوانوں کے ایک خاص گروہ سے ہے جو میمل یعنی دودھ پلانیوالے حیوانات کہلاتے ہیں اور اگر اسکے ذیلی گروہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ قدیم انسان نما بندروں (یعنی بوزنہ یا میموں میں شامل کیا جاتا ہے ، گو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی دماغی صلاحیت اور اپنے شاندار علمی و تمدنی کارناموں کی وجہ سے ایک بالکل نئی جماعت کا رکن معلوم ہوتا ہے -

حیوانی زندگی پر انسان کا انحصار

دنیا کی حیوانی زندگی نے ، خود انسان جسکا ایک جز ہے ، انسان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور وہ اس کے تمام کاروبار اور افعال و حرکات کو متاثر کرتی رہتی ہے - حیوانی زندگی ہمارے لئے غذا اور کپڑا فراہم کرتی اور بعض اور کام بھی انجام دیتی ہے - یہ ہماری متعدد صنعتوں کے لئے مواد اور مسالہ بہم پہنچاتی ہے ، یہ ہماری تفریح کا باعث بھی ہے اور ہمکو تربیت بھی دیتی ہے - گو موجودہ زمانہ کی نہایت پرتکلف اور بناوٹی زندگی کے لحاظ سے ممکن ہے کہ لوگ اس بات کا احساس نہ کریں - ہم اگر آمد و رفت کے دوران میں دو چار مویشی اور بعض دوسرے پالتو حیوانات سڑکوں پر پھرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور گھروں میں بھی ہم کو بہت ہی کم پالتو

کتے اور بلیاں نظر آتی ھیں تو اس کے یہ معنے ھیں کہ ہم نے اپنے آپکو حیوانوں سے بہت دور اور الگ کر لیا ھے اور تمام حیوانی پیداوار حاصل کرنے کا کام دوسروں کے حوالے کر دیا ھے ۔ تاہم ہمارا انحصار زیادہ تر حیوانی دنیا پر ھے اور اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔

چنانچہ اس امرکو سمجھنے کے لئے ہم کو بعض دوسرے ملکوں کے حالات معلوم کرنے چاھئیں جہاں زراعت نہیں ہو سکتی یا پھر بہت پرانے زمانے کے وحشی انسان کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہئے جو زراعت اور کھیتی باڑی کرنا نہ جانتا تھا ۔ ان دونوں صورتوں میں دیکھا جائے گا کہ غذا زیادہ تر حیوانی ہوتی تھی اور یہ مختلف حیوانوں اور خاص کر مچھلیوں کا شکار کر کے حاصل کی جاتی تھی ۔ پرانے زمانے میں جن ملکوں میں کھیتی باڑی کی جاتی تھی وہاں بھی کسان اپنے ساتھ تھوڑے بہت مویشی رکھتے تھے ، اور وہ ان مویشیوں کی کھال ہڈی اور سینگ وغیرہ سے مختلف قسم کی چیزیں تیار کرتے تھے ۔ یہ چیزیں پہلے گھروں کی صنعت ہوتی تھیں ، لیکن اب یہی صنعتیں گھروں سے نکل کر بڑے بڑے کارخانوں میں چلی گئی ھیں ۔

حیوانوں کی پانچ نہایت اھم قسمیں

حیوانات انسان کے لئے سب سے پہلے غذا مثلاً دودھ ، انڈے ، گوشت وغیرہ ۔ دوسرے کپڑوں کے لئے ضروری مسالہ

مثلاً اون، کھال اور ریشم وغیرہ، اور تیسرے مختلف صنعتوں کے لئے بال، سینگ اور ہڈیاں فراہم کرتے ھیں۔ انسان عام طور پر مختلف جانوروں سے بار برداری کا کام لیتا ھے۔ ان تمام باتوں کے لئے اس نے پانچ نہایت اہم قسم کے حیوانوں کو چن لیا ھے۔ گو اور بھی بہت سے دوسرے حیوانات ھیں جن سے انسان کو فائدہ پہنچتا ھے لیکن پانچ خاص طور پر قابل ذکر ھیں۔ یہ پانچ قسم کے جانور نہایت قدیم زمانے سے انسان کے اسلاف اور پرکھوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آرہے ھیں اور ان سب نے انسانی تہذیب اور کلچر کو ترقی دینے میں نمایاں حصہ لیا ھے ہم ان خاص جانوروں کو انگلی پر گن سکتے ھیں اور وہ ھیں مویشی (گائے بھینس وغیرہ) گھوڑا، بھیڑ، اونٹ اور مرغ۔

گو ان پانچ کے علاوہ اور بھی پالتو حیوانات مثلاً بکری، کتا، بطخ، کبوتر، شہد کی مکھی، ریشم کے کیڑے اور دوسرے بہت سے ایسے ھیں جو انسان کے لئے نہایت مفید اور ہر وقت کارآمد ثابت ہوئے ھیں لیکن اوپر بیان کئے ہوئے پانچ کے مقابلہ میں انکی زیادہ اہمیت نہیں۔ یہ پانچ ہماری صنعتوں کے بنیادی رکن ھیں یہ وہ پانچ حیوان ھیں جنکے گروہ اور نسلیں سیکڑوں برس سے، نہایت قدیم زمانے میں بھی، انسان کی رفیق اور ہمدرد رہی ھیں اور اسکو فائدہ پہنچاتی چلی آرہی ھیں۔

دوسرا باب

حیوانات میں انسان کا درجہ

نہایت قدیم زمانے کا انسان اور اسکی ضروریات زندگی

انسان نہایت قدیم زمانے میں ایک کمزور اور غیر محفوظ مخلوق سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسکی ٹانگوں میں نہ تو چوپایوں کی سی تیز رفتاری تھی کہ وہ بھاگ کر دشمن سے جان بچا سکتا، اور نہ درختوں پر چڑھنے والے جانوروں کی تیزی سے درخت پر چڑھ سکتا تھا۔ اسی طرح نہ تو وہ زمین کے اندر رہنے والے حیوانوں کی طرح زمین میں غار اور سرنگیں بنا سکتا تھا، اور نہ اس میں لڑنے کے لئے خوفناک، تیز اور تلوار کی مانند ناخن اور پنجے تھے۔ نہ اس میں سینگ پائے جاتے تھے، نہ اسکا جسم سخت چھلکوں یا زرہ اور سپر سے ڈھکا ہوا تھا کہ وہ محفوظ رہ سکتا البتہ وہ اپنے ہاتھوں سے بہت سے کام لے سکتا تھا لیکن اسکے ہاتھ بہت کمزور تھے۔ پھر بھی اس میں ایک سب سے زیادہ قابل امتیاز بات، اسکا دماغ اور دماغی قابلیت تھی، جنکی مدد سے وہ اپنے ماحول (یعنی ارد گرد کے حالات یا گہوارہ) کو اپنی مرضی کے مطابق بنا سکتا تھا۔ اس کے پاس اپنی حفاظت کے

لئے کوئی ہتیار نہ تھے - اس نے دماغ سے کام لیا اور درختوں کو کاٹ کر پہلے لکڑیوں کے ، اس کے بعد پھر ہڈیوں اور دہاتوں کے اوزار اور ہتیار بنائے - اس کے پاس پہننے کے لئے کوئی چیز نہ تھی ، چنانچہ اُس نے حیوانوں کی کھالوں سے اپنے جسم کو چھپایا - اس میں تیز رفتاری کی صلاحیت نہ تھی ، اس کام کے لئے اس نے کتے کو تربیت دی اور گھوڑے کو پالتو بنا لیا - اس کے جسم میں زیادہ قوت نہ تھی ، چنانچہ اس نے ہل چلانے کے لئے بیل کی طاقت استعمال کی -

قیاس کیا جاتا ھے کہ نہایت قدیم زمانے کا آدمی غالباً منطقہ حارہ (گرم خطۂ زمین) میں رہتا تھا - اس کا ثبوت یہ ھے کہ اس کے جسم پر بال بہت ہی کم پائے جاتے ھیں - گرم ملکوں میں پھول پھل ، پتوں اور جڑوں کی کثرت ہوتی ھے جو جمع کرکے غذا کے طور پر استعمال کئے جاتے ھیں ان کو پکانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی - ان حالات میں زندگی زیادہ آسانی سے بسر ہو سکتی ھے اور آئندہ کے لئے غذا جمع کرنیکی ضرورت بھی پیش نہیں آتی -

وحشی انسان کی سب سے پہلی ضروریات دو تھیں ، ایک تو یہ کہ کھانے کے لئے غذا ملتی رہے اور دوسری رہنے کے لئے کوئی محفوظ جگہ -

آگ انسانی ترقی کی ایک نہایت اہم ، ابتدائی ضرورت

انسانی ترقی اور تہذیب کا ایک نہایت ابتدائی اقدام وہ تھا جب اس نے آگ کا استعمال شروع کیا - اور یہ صرف انسان ہی ھے جس نے دوسری تمام مخلوق کے مقابلہ میں آگ کو اپنا غلام بنا لیا ھے - نہایت قدیم زمانے میں غالباً آگ کا سب سے پہلا کام یہ رہا ہوگا کہ انسان کی جسمانی راحت اور آرام میں مدد دے - وہ اسطرح کہ جب وہ موسلا دھار بارش سے بالکل تر بتر ہو جائے تو اس کے جسم کو سکھائے اور سردی زیادہ ہو تو گرمی پیدا کرے - بعض حیوانات بھی ایسے پائے جاتے ھیں جو آگ مل جانے کے بعد اس سے یہی کام لیتے ھیں - آگ کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ رات میں گشت کرنے والے خونخوار درندوں کو وحشی انسان کے غاروں اور جھونپڑوں میں داخل ہونے سے روکتی تھی - بہرکیف ایک وقت وہ بھی آگیا ، خواہ اسکو بہت زمانہ کیوں نہ لگا ہو ، جب انسان نے اتفاقی طور پر ، یا ذہانت کی مدد سے ، غذا کو آگ میں پکانے کا طریقہ معلوم کر لیا آگ کا یہ استعمال اسکے دوسرے تمام فائدوں سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اسکی وجہ سے نباتی اور حیوانی غذا زیادہ کثرت سے استعمال کی جا سکتی تھی - پھل ، جڑ ، پات اور اناج ، مچھلی ، گوشت اور مرغ ، جو کہ پہلے کچے نہ کھائے جا سکتے تھے ، پکنے کے بعد بہت زیادہ غذا کے طور پر استعمال ہونے لگے اور وہ نہ صرف ذائقہ دار تھے بلکہ صحت کے لئے بھی مفید ثابت ہوئے -

آگ کی مدد سے قدیم زمانے میں ہتیار بھی بنائے جاتے تھے - قدیم زمانے کے انسان نے مکدر ہلانا اور اپنی حفاظت کے لئے پتھر مارنا بھی سیکھ لیا تھا - آگ کی مدد سے درختوں کو حسب منشاء کاٹا اور اس سے لکڑی میں سختی پیدا کرنے اور نوک بنانے میں بھی کام لیا جاتا تھا - اسی آگ کی مدد سے لکڑیوں کے اندر خلا پیدا کرکے ان سے کشتیاں بنائی گئیں - پتھروں اور چٹانوں کو توڑنے میں بھی اس کو استعمال کیا گیا اور اسطرح ان کے ہتیار اور آلات بھی بنائے گئے جن سے مختلف کام لئے جاتے تھے -

غذا کی حفاظت

حیوانی غذائیں اپنی اصل حالت میں بہت جلد خراب ہوجاتی ھیں ان میں سے بعض خاص موسموں ہی میں دستیاب ہو سکتی ھیں - وحشی انسانوں میں غذا کی کثرت صرف چند روز کی دعوت کا کام دیسکتی تھی، لیکن جیسے جیسے انسان کی ذہانت بڑھتی گئی حیوانوں کے گوشت اور انڈوں کو سکھانے میں آگ کا استعمال کیا جانے لگا اس کے علاوہ ان چیزوں کو سڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے دھوئیں سے بھی کام لیا گیا اور بعد میں نمک بھی ان کاموں کے لئے بہت مفید ثابت ہوا -

جب تک سردی کی مدد سے غذاؤں کو خراب ہونے سے بچانیکا طریقہ رائج نہ ہوا تھا اس وقت تک نمک اور دھوئیں ہی سے غذاؤں کو محفوظ رکھنے کا کام لیا جاتا تھا -

سمندر سے حاصل ہونیوالی غذائیں

اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ نہایت قدیم زمانے میں انسان کی حیوانی غذا کا ایک بڑا اہم حصہ سمندر سے حاصل کیا جاتا تھا کیونکہ خلیجوں اور کھاڑیوں میں بیشمار حیوانات رہتے ہیں جو آسانی سے پکڑے جاسکتے ہیں اور جن کو بطور غذا کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جیوانوں میں زیادہ اہم، ہر قسم کی مچھلیاں، جھینگے، کیکڑے، صدف، وھیل وغیرہ شامل ہیں۔

سب سے پرانی حیوانی غذا میں مچھلی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور مچھلی پکڑنے کا سب سے قدیم طریقہ مچھلی پکڑنے کی ڈور اور کانٹا ہے اور یہ طریقہ دنیا کے تمام ملکوں میں اب بھی کثرت سے رائج ہے۔ نہایت پرانے زمانے میں یہ کانٹا لکڑی، ہڈی یا سینگ کا بنایا جاتا تھا۔ غالباً یہ طریقہ کسی وحشی انسان کے دماغ میں اس وقت پیدا ہوا ہوگا جب اس نے یہ دیکھا ہوگا کہ وہ ہاتھوں سے مچھلیاں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اسکے بعد پھر کانٹے کی بناوٹ میں تھوڑی بہت تبدیلیاں ہوئیں اور اسکا استعمال آج تک جاری ہے۔

ہتیاروں کی ایجاد اور ان کا استعمال

گو قدیم زمانے میں حیوانی غذائیں کثیر مقدار میں بلا ہتیار اور آلات کے حاصل کی جاتی تھیں، پھر بھی غذاؤں کے ایک بہترین

حصے، مثلاً بعض عمدہ قسم کی مچھلیاں، پرند اور ہرن وغیرہ کو حاصل کرنے کے لئے آلات اور ہتیاروں کی ضرورت تھی۔ انسان پرندوں مچھلیوں اور تیز رفتار چوپایوں کو ہاتھ سے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ شکاری کے ہاتھ میں اگر ایک ڈنڈا ہوتو وہ بمقابلہ خالی ہاتھ کے زیادہ کارآمد ہوسکتا ہے اور وہ ڈنڈا اس کے حملہ کو دور تک وسعت دے سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد رفتہ رفتہ انسان نے پتھر کے ایک تیز دھار کے ٹکڑے کو لکڑی کے ایک دستہ میں جوڑ دیا اور اس طرح ایک بھونڈے قسم کی کلہاڑی تیار کرلی جو ایک ڈنڈے سے زیادہ کارآمد تھی۔

کلہاڑی کے بعد پھر بھالا اور برچھا ایجاد ہوا، اور یہ شکار اور حفاظت کے لئے ایک بہت ہی مفید ہتیار ثابت ہوا جو آج تک استعمال کیا جا رہا ہے۔ لیکن کچھ زمانہ گزرنے کے بعد وحشی انسان نے اس سے زیادہ مفید ہتیار دریافت کرلیا، یہ تیر اور کمان ہے۔ یہ دنیا کی بہت بڑی ایجادوں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ وحشی انسان کے تمام قبیلوں اور جماعتوں میں کمان اور تیر عام طور پر بنائے جاتے تھے اور ہر قبیلہ ان کو اپنے طرز اور الگ الگ مسالوں سے بنایا کرتا تھا، ہر گروہ کی کمان بہت ہلکی ہوتی تھی لیکن اسے موڑنے کے لئے انسان کی پوری طاقت درکار ہوتی تھی۔ اس کا بہترین فائدہ نشانہ بازی میں تھا، تیر ہرن کی ٹانگوں اور آبی مرغ کی پرواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے جاتے تھے۔ چنانچہ انہیں خصوصیات کی

وجہ سے تیر کو « ادب » میں بطور تشبیہ بکثرت استعمال کیا جاتا ہے ، اس تیر اور کمان کی جگہ موجودہ زمانہ میں بندوق نے لے لی ہے ، چنانچہ قدیم زمانہ میں وحشی انسان ، بلا کسی ہتیار کے ، دوسرے حیوانوں میں ایک نہایت کمزور حیوان کے مانند تھا۔ اس کے بعد اپنی دماغی قوت سے کام لے کر اس نے کچھ بھونڈے ہتیار بنائے اور ان کی مدد سے وہ ان حیوانوں کا مقابلہ کرنے لگا اور رفتہ رفتہ اپنی دماغی قابلیت اور ذہانت کی بدولت ان پر غالب آگیا۔ (شکل۔ ۱)

پھندوں کا استعمال

ہتیاروں کے استعمال نے جنگلی حیوانوں کا شکار کرنے میں بے حد سہولت پیدا کردی۔ چونکہ بلا کسی واسطہ کے حیوانوں کو پکڑنے کا کام ذرا مشکل تھا ، لہذا انسان نے ان کو پکڑنے کی ایک تدبیر سوچی اور مختلف طریقوں سے جنگلی جانوروں کا تعاقب کرکے ان کو پھندوں سے پکڑنے لگا۔ یہ پھندے مختلف قسم کے ہوتے تھے جن کو تیار کرنے میں انسان کو اس بات کی ضرورت بھی پیش آئی کہ وہ مختلف قسم کے حیوانوں کے عادات و اطوار کو غور سے دیکھے ، کیونکہ ہر حیوان کو پکڑنے کیلئے اسکی دماغی صلاحیتوں اور عادتوں کو جاننا ضروری تھا ، اس لئے پھندوں کے ذریعہ حیوانات کو پکڑنے والوں کو ، بہ مقابلہ شکاری یا ماہی گیر کے ، حیوانوں کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنا پڑتا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی زندگی بسر

کرسکے۔ چنانچہ ان مشاغل سے قدیم زمانے کے وحشی انسان کو
جو غیر معمولی تربیت اور معلومات حاصل ہوتی تھیں ان کی اہمیت کا
اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔

کتا۔ ایک سب سے زیادہ کارآمد شکاری

انسان نے شکار اور ماہی گیری میں کئی ایک حیوانوں سے
کام لیا، لیکن کتا ہی ایک ایسا حیوان ہے جو دنیا کے ہر حصے میں
اس کام کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوا ہے۔ تہذیب
و تمدن کے بالکل ابتدائی دور سے کتا شکار کرنے میں انسان کو اپنی
تیز رفتاری، سننے کی قوت اور سونگھنے کی غیر معمولی قابلیت کی
وجہ سے انتہائی سہولتیں بہم پہنچاتا چلا آرہا ہے۔ انسانی تاریخ کے
سب سے طویل دور میں جبکہ انسان کی زندگی زیادہ تر شکار پر
بسر ہوتی تھی، کتا اس کا سب سے بڑا رفیق اور ہمدم تھا،
اور صرف یہی ایک ایسا حیوان تھا جس کو وحشی انسان نے شکار
پکڑنے کی نئی نئی تدبیریں بتائیں اور نئے نئے طریقے سکھائے
تھے جس پر اس نے کامیابی سے عمل کیا تھا۔

آگ سے شکار کرنا

(شکار کرنے میں آگ اور روشنی کا بھی استعمال)

شکار کرنے میں آگ اور روشنی بھی استعمال کی جاتی رہی
ہے تاکہ حیوانات اس کی حرارت اور دھوئیں سے نکل کر باہر

بھاگیں یا روشنی دیکھ کر اس کے قریب آجائیں۔ رات کے وقت پانی میں روشنی ڈالنے سے مچھلیاں آکر جمع ہوجاتی ہیں اور پھر ان کو پکڑنا آسان ہوجاتا ہے، یہ طریقہ بہت قدیم زمانے سے رائج ہے اور آجکل بھی ماہی گیر ٹارچ لائٹ سے مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔ اسی طرح پرانے زمانے میں مشعل کی مدد سے ہرنوں کو ایک محدود رقبہ کے اندر گھیر لیا جاتا تھا تاکہ اس وقت کے رائج شدہ ہتیاروں سے ان پر حملہ کیا جاسکے۔ حیوانوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جانے کے لئے دھواں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ دھواں شہد کی مکھیوں کو انکے چھتوں، ریچھ کو انکے غاروں، اور بہت اچھی سمور والے جانوروں کو درختوں کی کھوہ اور جھنڈ سے باہر نکالنے میں بہت مدد دیتا تھا۔ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی جنگل یا جھاڑی میں آگ لگ جاتی ہے تو حیوان اور پرند جان بچانے کیلئے پریشان ہوکر وہاں سے بھاگتے ہیں۔ اس بات کو دیکھ کر وحشی انسان، حیوانوں کا شکار کرنے کے لئے اپنے طور پر آگ جلاتا تھا۔ اسی طرح بعض ملکوں میں وہ ارنا بھینس (بائسن) کو ہکا کر ایک خاص رقبے کے اندر گھیر لیتا تھا جہاں ان کا شکار آسانی سے کیا جاسکتا تھا۔ بعض دوسرے ملکوں میں وہ ہرنوں اور خرگوش وغیرہ کو بھی اسی طرح گھیر کر مارتا تھا۔ اسی طرح بعض مقامات پر ٹڈوں کی کثیر تعداد پکڑلی جاتی تھی جن کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔
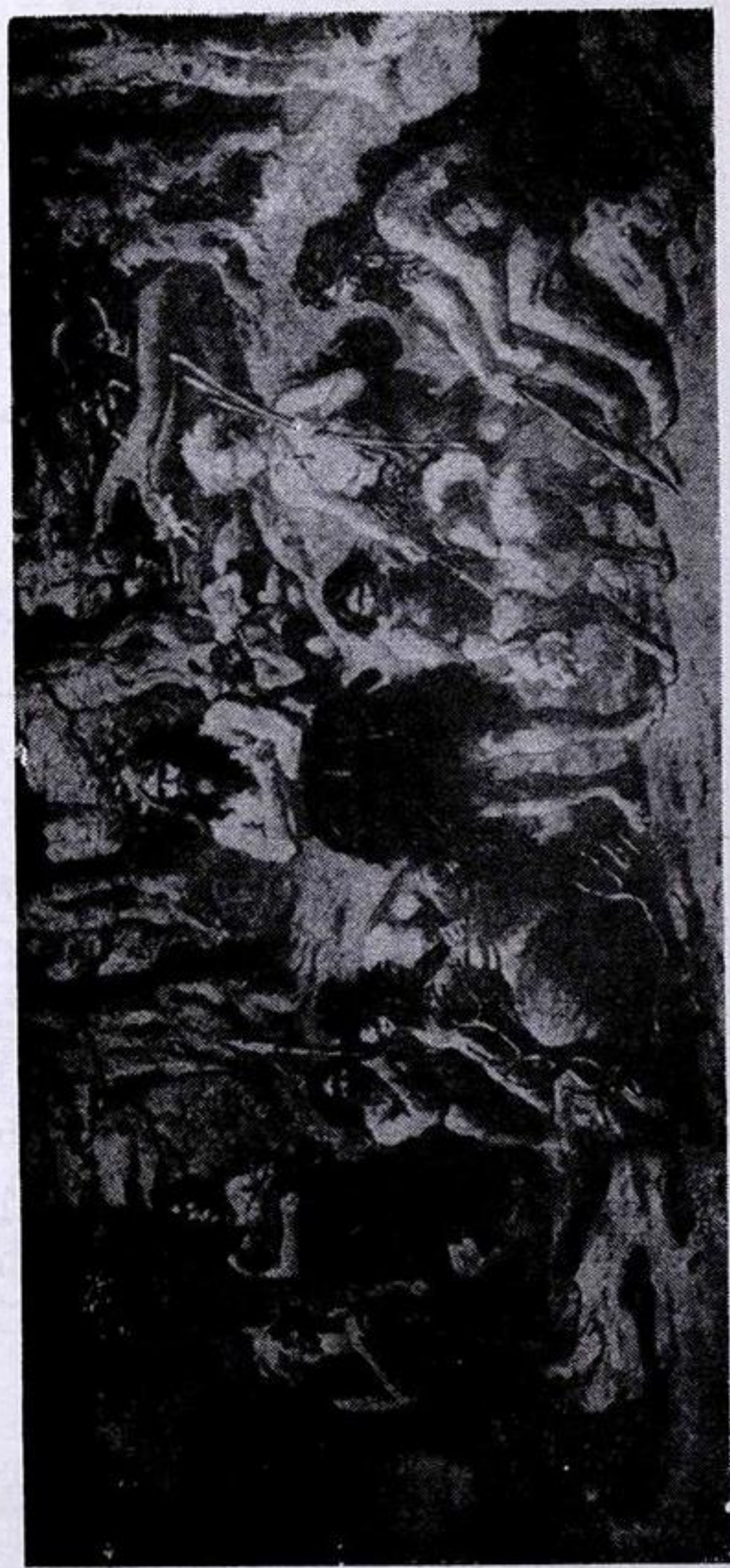
شکل - ۱ قدیم زمانے کا وحشی انسان

شکل - ۲ سورج مکھی (ایشیائی چیونٹی کھانیوالا حیوان)

تیسرا باب

حیوانوں میں حصول غذا کے لئے عالمگیر جنگ

حیوانات کی « زندگی کا مقصد » مختصر طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ « غذا اور رفیق زندگی یا جیون ساتھی » حاصل کرنا ہے یا دوسرے الفاظ میں، انفرادی زندگی کا تحفظ کرنا اور اپنی نسل کو آئندہ جاری رکھنا۔

حیوانات کی سب سے پہلی غذا میں نباتات یعنی پھل، پھول پتے، جڑ اور مردہ نباتات بھی شامل ہیں۔ یہ چیزیں حیوانات اپنے جسم کی طاقت، توانائی اور زندگی کے روز مرہ کاموں کو انجام دینے کے لئے کھاتے ہیں مگر حیوانوں کے کھانے کے بعد بہت سی سبزی بچ رہتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض حیوانات گوشت پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ گوشت خور حیوانات، سبزی کھانے والے حیوانوں کی تعداد کو بڑھنے سے روکتے ہیں اور خود ان گوشت خوار حیوانوں کی گنتی بھی بعض طفیلی حیوانوں کی وجہ سے، جو انکے جسم کے اندر یا باہر رہتے ہیں، کم ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ دونوں قسم کے طفیلی حیوانات (گوشت خور اور سبزی خور) ہر جگہ پائے جاتے اور قدرتی ماحول میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے

رہتے ہیں۔ جیساکہ پہلے کہا جاچکا ہے ، غذا جسم کے صرف شدہ مادوں کی کمی کو پورا کرنے ، نشو و نما کو جاری رکھنے اور توانائی پیدا کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے ، تاکہ ایک حیوان نقل و حرکت کے علاوہ زندگی کے دوسرے تمام ضروری افعال انجام دے سکے۔ اور چونکہ « حیوانی غذا » کے حصول میں حیوانوں کو مختلف طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں اور طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اس لئے ہم یہاں حیوانی غذا سے بحث کریں گے۔

جب ایک حیوان کو بھوک لگتی ہے تو وہ اسکو اس بات سے آگاہ کرتی ہے کہ اب اسکو غذا کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ اسکی تلاش اور کھوج شروع کر دیتا ہے۔ حیوانوں کی سونگھنے اور ذائقہ کی قوت غذا میں لذت پیدا کرتی ہے ، ورنہ کوئی حیوان حصول غذا کے لئے پریشان نہ ہوتا۔

قبل اسکے کہ غذا حاصل کرنیکی تفصیلات بیان کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حیوانی دنیا کی قدیم تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال لیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہایت قدیم زمانے کے ریڑھ دار حیوانات جب پہلے پہل پانی سے خشکی پر آئے تو وہ اپنی ٹانگوں سے چل نہیں سکتے تھے بلکہ وہ ان سے پانی میں پتوار کا کام لیا کرتے تھے لہذا وہ زمین پر رینگتے تھے ، جس طرح کہ بعض موجودہ

حیوانات، مگر، گھڑیال وغیرہ رینگ کر چلتے ہیں خشکی پر آنے کے بعد یہاں جو بہترین غذائیں موجود تھیں ان کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑنا شروع کر دیا ان میں سے بعض ریڑھ دار حیوانات سبزی یا نباتاتی غذا استعمال کرنے لگے اور بعض گوشت خوار بن گئے اور باقی دوسرے سبزی اور گوشت دونوں کھایا کرتے تھے ان کی نسلیں رفتہ رفتہ بڑھتی گیں اور ساتھ ہی ساتھ ان میں اختلافات بھی پیدا ہوتے گئے، جس کو جہاں جتنی غذا ملی اسی لحاظ سے جسامت میں بھی اضافہ ہوتا گیا کیونکہ بعض مقامات پر جہاں بہ یک وقت دس خرگوش زندگی بسر کرسکتے ہیں وہاں ایک بیل بھوکوں مرسکتا ہے۔

غذا کہاں سے حاصل کی جائے اور گھر کہاں تلاش کیا جائے؟ یہ سوال اس وقت حیوانوں میں بھی اسی طرح موجود تھا جس طرح آج ہمارے سامنے ہے، غذا اور مسکن یا دشمنوں سے بچنے کے ذریعے اور پناہ گاہیں، زندگی کی سب سے اہم اور مستقل ضرورتیں تھیں۔ ان چیزوں کو حاصل کرنے میں مقابلہ کی نوبت آگئی اور اس مقابلہ اور کشمکش زندگی نے ان کے اندر طرح طرح کی تبدیلیاں پیدا کردیں خشکی کے حیوان اپنی چاروں ٹانگوں پر چلنے لگے اور اسی طرح دوسرے حیوانوں سے زیادہ ممتاز ہوگئے۔ بعض نے اپنے اندر اتنی تیز رفتاری پیدا کرلی کہ ان کے دشمن بھی تعاقب میں ان کے پیچھے رہ جاتے تھے۔ بعض نے دشمنوں سے بچنے کے لئے

زمین کھودنا اور زیر زمیں سرنگیں بنانا شروع کردیا، اس کوشش میں ان کے ناخن اور پنجے بڑے اور مضبوط ہوگئے اور وہ درختوں پر چڑھنے لگے اور ان کی شاخوں میں گھونسلے بنا کر رہنے لگے، اور بعض رفتہ رفتہ ہوا مین اڑنیکی کوشش کرنے لگے اور آہستہ آہستہ ان میں «پر» اور «پنکھ» نکل آئے اور وہ باقاعدہ اڑنیوالے حیوانات یعنی پرندوں میں تبدیل ہوگئے۔

جب ہڈیدار، اڑنیوالے حیوانات پرندوں اور چمگاڈر کا مقابلہ کیڑوں سے کیا جاتا ہے، جو اڑنیوالی مخلوق ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان (کیڑوں) کی تعداد، دنیا میں پائے جانے والے دوسرے تمام قسم کے حیوانوں کی مجموعی تعداد سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

ہم کو معلوم ہے کہ دنیا ایک وسیع «دستر خوان» ہے جس پر رنگ برنگ اور مختلف ذائقہ اور لذت کی غذائیں موجود ہیں لیکن سخت مقابلہ اور کشمکش کے بغیر ان کا حصول آسان نہیں۔ قدرت کی اس وسیع «رزم گاہ» میں غذا حاصل کرنیکے طریقے زیادہ تر «حزنیہ» ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشمار حیوانات اپنی ہی نوع اور جنس کے دوسرے افراد کا بہت بیدردی سے شکار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک قسم کے حیوان کی شکل، بناوٹ اور خاصیت کا ارتقا اس جنس اور نسل کے حصول غذا کے طریقوں کے لحاظ سے وجود میں آتا ہے۔

زمین پر رہنے والے حیوانوں میں اکثر گوشت خور شامل ہیں جو زندہ شکار پکڑتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر بلی کے خاندان کے افراد (یعنی شیر ، چیتا ، تیندوا وغیرہ) ہیں جو زندہ حیوانوں کی تباہی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ ببر اور شیر اپنے جسم کی بناوٹ کے لحاظ سے گوشت خوری کے لئے بہت موزوں ہوتے ہیں ان کے دانتوں کی مخصوص ساخت ، شکار کو پکڑنے ، کاٹنے اور نوچنے کیلئے بہت موزوں ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے حملہ کرنے کے اعضا اسکے ناخن اور پنجے ہیں جو ہر وقت ناخن پوش کے اندر بند رہتے ہیں اور صرف ضرورت کے وقت باہر نکالے جاتے ہیں۔ غیر معمولی طور پر قوی اور طاقتور ہونیکے باوجود شیر اور ببر چھپے چوری شکار کرتے ہیں اور وہ اپنی بینائی پر زیادہ بھروسہ رکھتے ہیں اور جب وہ کسی شکار کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو چھلانگ مار کر اسکو دبوچ لیتے ہیں۔ ببر کا خاکی رنگ اور شیر کی پیٹھ کی دھاریاں ماحول (ارد گرد کے حالات) سے اس قدر مناسبت اور ہم رنگی رکھتی ہیں کہ یہ حیوانات آسانی کے ساتھ اپنے ماحول میں پہچانے نہیں جاسکتے ، اور شکاری کی نظر سے چھپ جاتے ہیں۔ گو یہ پر شوکت حیوانات گوشت خور حیوانوں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں پھر بھی وہ اس قدر خونخوار نہیں سمجھے جاتے جتنے اور دوسرے گوشت خور ، دودھ پلا نیوالے حیوانات ، جو کہ جسامت اور قد میں شیر اور ببر سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ مثلاً مدغاسکر کے

مارگش نیولے اور برطانیہ کے بلی نما حیوانات اسٹوٹ اور ویزل۔ چنانچہ اگر یہ جسامت میں شیر کے برابر ہوتے تو موجودہ حالت سے کئی گنا زیادہ ہیبتناک اور خونخوار ثابت ہوتے اور بڑے سے بڑے شکاریوں کا پتا پانی کر دیتے۔ بھیڑئے اور اسکے رشتہ دار «اتحاد عمل» کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہیں اور اس لئے وہ جھنڈ کے جھنڈ شکار پر حملہ کرتے ہیں اور شکار کے تعاقب میں بینائی اور نظر کی بجائے «شکار کی بو» سے کام لیتے ہیں۔

زمین پہ رہنے والے بعض میمل (یعنی دودھ پلانیوالے حیوانات) عموماً کرم خور (یعنی کیڑے پتنگے کھانیوالے) ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسکی ایک عمدہ مثال جنوبی امریکہ کا مور خور (مرمیکو فیگس) اور ایشیاء کا چیونٹی کھانیوالا حیوان سورج مکھی (شکل - ۲) ہے جو چیونٹیوں کے مسکن کو اپنے مڑے ہوئے ناخنوں سے کھود ڈالتا ہے اور اپنی لنبی چچپی زبان ان کے اندر داخل کرکے چیونٹیوں کو اس میں چمٹا کر نگل لیتا ہے۔

اکثر گوشت خور پرندے بھی زمین ہی پر شکار کرتے ہیں اسکی اچھی مثال افریقہ میں پایا جانیوالا ایک پرندہ ہے جو سکریٹری پرندہ کہلاتا ہے اور سیکڑوں زہریلے سانپوں کو مار کر کھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سانپ کا شکار کرنیوالا پرندہ مور ہے۔

ایسے مقامات جہاں سبزی اور گھانس وغیرہ بہت گھنی ہوتی ہے سانپ، چھپکلیاں اور گرگٹ وغیرہ شکار کی تلاش میں بیٹھے

نظر آتے ہیں ایسے مقامات پر سانپ کے جیسے حیوانوں کو، جن کی ٹانگیں نہیں ہوتیں، شکار کو پکڑنے میں بڑی کامیابی ہوتی ہے چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایک شور کرنے والا مینڈک بڑی خاموشی سے ایک گھاس کے سانپ کا شکار بن جاتا ہے۔

بڑے مینڈک اور بھدے مینڈک (یاغوک) بھی گوشت خور ہوتے ہیں ان کی زبان لمبی اور چپچپی ہوتی ہے اور نچلے جبڑے کے اگلے سرے جڑی ہوتی ہے، جب کوئی کیڑا اس کے قریب آتا ہے تو وہ فوراً اپنی زبان باہر نکال کر اس کو اس میں چمٹا لیتا اور پھر نگل جاتا ہے۔

زمین پر شکار کرنیوالے حیوانات میں بعض خونخوار بھورے بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ افریقہ میں ایک قسم کی آدم خور چیونٹیاں ہوتی ہیں جو ڈرائور چیونٹیاں کہلاتی ہیں، یہ جھنڈ کی جھنڈ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتی رہتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے میملس (دودھ پلانے والے حیوانوں) اور کھمبل کے کیڑوں وغیرہ کو چٹ کرجاتی ہیں لیکن بڑی جسامت کی چیونٹیاں بہت ہی خطرناک ہوتی ہیں اور وہ کروڑوں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلتی ہیں اور جنگل میں ایک بڑے رقبہ کے اطراف گھیرا ڈال لیتی ہیں اور بہ یک وقت جنگل کے جانوروں پر دھاوا کرتی ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیر اور ہاتھی جیسے طاقتور اور قوی الجثہ حیوانات وہاں سے پناہ کے لئے بھاگتے ہیں، یہ چیونٹیاں بڑے بڑے حیوانوں کے جسم

سے چمٹ جاتی اور ان کو بالکل کھا کر صاف کر دیتی ہیں، اگر انسان ان کی زد میں آجائے تو پھر اس کو جان بچانا دشوار ہوجاتا ہے۔

ان سے بھی زیادہ خطرناک گوشت خور حیوانات بعض شکاری مکڑیاں، بچھو اور ہزار پا (سینٹی پیڈز) ہوتے ہیں۔

متعدد صلح پسند، سبزی خور حیوانات، کشمکش زندگی کی بیرحمانہ گرفت سے بچنے کی خاطر، جو ان کو زمین پر رہنے کی صورت میں پیش آتی تھی، درختوں پر رہنا شروع کردیا جہاں چڑیاں اپنے بے بس اور مجبور بچوں کے لئے نسبتاً زیادہ محفوظ گھونسلے تعمیر کرتی ہیں۔ گوشت خور حیوانات نے انکو دیکھ کر درختوں پر چڑھنے کے مختلف طریقے سیکھ لئے تاکہ اپنے سروں پر رکھی ہوئی غذا کو، جو درختوں پر چڑیوں کے بچوں اور انڈوں کی شکل میں موجود ہوتی ہے، آسانی سے حاصل کرسکیں۔

کیڑے (یعنی حشرات) زیادہ تر درختوں پر رہتے ہیں اور یہ بڑی آسانی سے چھپکلی اور گرگٹ اور کرم خور پرندوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کیڑے بھی گوشت خور ہوتے ہیں جنوبی افریقہ کی ایک پرند خور مکڑی (شکل۔ ۳) بھی شکار کے انتظار میں زمین پر بیٹھی رہتی ہے۔ اس کے ساتھ کی بعض دوسری چھوٹی مکڑیاں مختلف بلندیوں پر جالا تانتی ہیں اور وہ بہت وسیع پیمانے پر تیار کئے جاتے ہیں اس لحاظ سے معمولی، عام طور

شکل - ۳ پرند خور مکڑی

شکل ۔ ٤ اُود بلاؤ (آوٹر)

پر باغوں میں رہنے والی مکڑی، زیادہ قابل ستائش ہے جس کا جالا بہت خوبصورت ہوتا ہے۔

گرم ملکوں میں سبزی کی پیداوار کی مناسبت سے خون پینے والی جونک اور مکھیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اکثر حیوانات دشمنوں سے پناہ لینے کے لئے زمین کے اندر جا کر چھپ گئے، لیکن یہاں بھی دشمنوں نے ان کا تعاقب کیا، چنانچہ بلی نما حیوانات ویزل، زیر زمین سرنگوں میں رہنے والے خرگوش کا تعاقب کرتے ہیں، اور کیچوے اور زمینی کیڑوں کو بھی دشمنوں سے ایک پل سکون حاصل نہیں ہوتا۔ اکثر پرندے زمین کھود کھود کر ان کو تلاش کر کے اپنی غذا بناتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی چونچ لمبی، نوکدار اور مضبوط ہوتی ہے۔ اس طرح چھچھوندر روزانہ اپنے پورے وزن سے زیادہ غذا کھاتی ہے۔

سب سے پہلے کیڑوں نے ہوا میں اڑنا شروع کیا۔ یہ پرواز مسلسل نہ ہوتی تھی بلکہ کچھ دور اڑ کر پھر زمین پر بیٹھنا پڑتا تھا۔ چونکہ وہ درختوں پر چڑھنے سے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہ کر سکے اس لئے انہوں نے بالکل آخری کوشش کے طور پر ہوا میں اڑنا شروع کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض گوشت خور بن گئے اور انہوں نے اپنی ہی قوم کے افراد کو لقمہ بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ بھنبھیری اسکی ایک اچھی مثال ہے جو تالابوں اور چشموں پر شکار کی تلاش میں اڑتی ہوئی دیکھی جاسکتی ہے، وہ غیر معمولی

تیزی سے اڑتی ہے ۔ اسکی ٹانگیں سامنے کی جانب مڑی ہوئی رہتی ہیں تاکہ شکار کو پکڑ سکیں۔ چنانچہ جب وہ کسی تتلی کو پکڑ لیتی ہے تو ان کے ناقابل ہضم حصے یعنی پروں کو جبڑوں سے کاٹ کر پھینک دیتی ہے اور باقی حصہ کو کھا جاتی ہے ۔

میملس (یعنی دودھ پلانے والے حیوانات) میں چمگادڑ نے پرواز کی قوت حاصل کی ہے اور ان میں سے بیشتر کیڑوں پتنگوں پر زندگی بسر کرتی ہیں۔ ایک قسم کی کرم خور زنبور ، جو ریگ بھڑ کہلاتی ہے ، اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس کا اپنے بچوں کیلئے جن کو دیکھنا کبھی بھی اس کی قسمت میں نہیں ہوتا غذا فراہم کرنے کا خاص طریقہ ہوتا ہے ۔ زمین کے سوراخوں یا خاص طور پر بنائے ہوئے مسکن میں انڈے دینے کے بعد ایک بھڑ ان میں کمبل کے کیڑے ، بعض قسم کے بڑے کیڑے اور مکڑیاں لاکر جمع کر دیتی ہے لیکن ان کو ان سوراخوں میں رکھنے سے پہلے وہ ان کے دماغ کی عصبی ڈور (نروکارڈ) کو ڈنک مار کر حیوانوں کو بالکل بے بس اور بے حس بنا دیتی ہے لیکن یہ کیڑے بالکل مر نہیں جاتے۔ مختلف قسم کی ریگ بھیڑیں ان گوداموں کیلئے مختلف قسم کے کیڑے پتنگے جمع کرتی ہیں۔

خون پینے والے کیڑوں کے بے شمار جھنڈ حیوانی غذا کو حاصل کرنے میں اپنی زندگی کو عجیب و غریب طور پر ڈھال لیتے ہیں۔ مچھر گرم اور نیم گرم ملکوں میں ملیریائی بخار پھیلاتے ہیں۔

اس طرح افریقہ میں، ایک مکھی، جو سی سی مکھی کہلاتی ہے، مویشیوں اور گھوڑوں کا خون چوس کر ان میں ایک بیماری پھیلاتی ہے اسی طرح بعض مکھیوں سے مرض نوم (سونے کی بیماری) پھیلتی ہے کیونکہ خون چوستے وقت یہ مکھی زہریلے جراثیم انسان میں داخل کردیتی ہے۔

پرندوں نے جن کا ارتقاء ریٹپائیل (یعنی رینگ کر چلنے والے ریڑھ دار حیوانات) سے ہوا ہے، کیڑوں کا تعاقب ہوا میں کیا اور اب بہت سے اس کے عادی ہوگئے کہ ہوا میں اڑتے رہیں چنانچہ ابابیلیں، مینا اور دوسرے پرندے انہیں کیڑوں پر زندگی بسر کرتے ہیں اس طرح اگر تمام کرم خور پرندے یکایک معدوم ہوجائیں تو ساری دنیا پر کیڑوں کا تسلط ہوجائے گا اور پھر انسان کی زندگی خطرے میں پڑجائے گی۔

شکاری پرندے جن کو قدرت نے مضبوط اور مڑی ہوئی چونچ عطا کی ہے، مثلاً عقاب، شکرے، باز اور بوم (اُلو) پرندوں، میملس اور رینگنے والے حشرات (ریٹپائیل) کی ایک بڑی تعداد کھا جاتے ہیں۔ سارس اور لق لق زیادہ تر مینڈک اور دوسرے جل تھلیوں کا شکار کرتے ہیں۔

ہوا، درخت اور زمین کے مقابلے میں « کشمکش زندگی » کی شدت تالابوں، دریاؤں اور جھیلوں وغیرہ میں زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر پناہ اور سکون کے متلاشیوں نے سمندر کے

گھارے پانی اور زمین سے بھاگ کر میٹھے پانی میں پناہ ڈھونڈی۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بے شمار کیڑے اپنی زندگی کے ابتدائی مدارج انہیں مقامات میں طئے کرتے ہیں لیکن پورا پورا سکون اور اطمینان زندگی کے کسی حصے میں بھی کسی کو نصیب نہیں ہوتا اور میٹھے پانی کے مخزن یعنی تالاب اور دریا وغیرہ ہم جنس افراد کو بطور غذا استعمال کرنے والے مختلف حیوانات کی ایک کثیر تعداد کے لئے نہایت اچھی شکارگاہ کا کام انجام دیتے ہیں۔ مثلاً اود بلاو، جو مچھلی کا بہت بڑا شکاری ہے، دراصل ایک بڑا بلی نما حیوان ہے جس نے پانی میں رہنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرلی ہے (شکل - ٤) بہت سے پرندے بھی زندہ شکار میٹھے پانی ہی سے حاصل کرتے ہیں چنانچہ ان کی مثال سارس، بگلا، مچھلی مار (یعنی ماہی خور پرندہ) وغیرہ ہیں۔ بط اور ہنس غذا حاصل کرنے میں بہت شرمیلے واقع ہوئے ہیں ان کی چپٹی اور چوڑی چونچ اس لئے بہت ہی موزوں ہے کہ وہ کیچڑ میں رہنے والے کیڑوں اور دوسرے ننھے حیوانوں کو تلاش کرسکیں۔

ریپٹائیل (یعنی ہوام یا ریڑھ دار رینگنے والے حیوانات) بھی میٹھے پانی کے شکاری ہیں ان میں جسامت کے لحاظ سے بڑے مگرگھڑیال وغیرہ ہیں جو نہ صرف آبی حیوانات کا شکار کرتے ہیں بلکہ دریا کے کناروں پر، خشکی میں آکر، پرندوں اور دودھ پلانے والے حیوانوں کا بھی تعاقب کرتے ہیں۔ چنانچہ گنگا میں

پائے جانے والے گھڑیالوں کی تھوتھنی بہت لمبی ہوتی ہے اور یہ مچھلیاں پکڑنے میں بڑے اچھے پھندے کا کام دیتی ہے۔ شمالی اور وسطی امریکہ کے میٹھے پانی کے کچھوے اپنی چونچ نما تھوتھنی سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ جنوبی ایشیا اور آسٹریلیا کی بعض میٹھے پانی میں رہنے والی چھپکلیاں، جن میں سے بعض سات فٹ لمبی ہوتی ہیں، پانی ہی میں شکار کرتی ہیں۔ تالابوں اور دریاؤں میں پنہیا سانپ بھی پائے جاتے ہیں جو مینڈکوں کا شکار کرتے ہیں۔ میٹھے پانی کی بعض مچھلیاں اپنی ہی قوم کی کمزور مچھلیوں کا شکار کرتی ہیں اس قسم کی ایک مچھلی پائنک کہلاتی ہے اس کا وزن (۶۰) پونڈ تک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی غذا میں مینڈک اور مرغیاں بھی شامل ہیں ایک اور مچھلی جس کو «ملی انس مچھلی» کہا جاتا ہے اور جو ہر قسم کے چھوٹے حیوانات کا شکار کرتی ہے، بالخصوص مچھر کے بچوں کی بڑی شائق ہوتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ویسٹ انڈیز کے باشندے ملیریا سے محفوظ رہتے ہیں۔

ایک معمولی تالاب گو بظاہر بہت پرسکون ہوتا اور امن کی جگہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے اندر بھی المناک حادثے رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے باشندوں میں خونخوار آبی بھونرے اور دوسرے کیڑے شامل ہیں۔ ان میں قابل ذکر بھنبھیریوں کے پانی میں رہنے والے بچے (سروے) ہیں جنکے منہ کے اندر خاص قسم کے پکڑنیوالے حصے پائے جاتے ہیں جن سے وہ چھوٹے کیڑوں کو

پکڑلیتا ھے اس کے منہ میں جبڑے بھی ہوتے ھیں جن سے وہ شکار کو کتر ڈالتا ھے۔

ایک قسم کے آبی کیڑے میں ، جس کو آبی بچھو بھی کہتے ھیں ، اس طرح کے چوسنے اور چبھونے والے منہ کے حصے ہوتے ھیں۔ اگلی ٹانگوں سے یہ شکار کو پکڑ لیتا ھے۔ شکار میں مینڈک کے بچے (ٹیڈ پول) اور ننھی ننھی مچھلیاں شامل ھیں۔

میٹھے پانی کے شکاریوں میں ایک ننھا سا عجیب و غریب حیوان بھی ھے جسے ہائیڈرا کہتے ھیں۔ یہ نچلے سرے سے کسی چیز سے چمٹا رہتا ھے اسکے جسم کی لمبائی تقریباً $\frac{1}{6}$ انچ یا اس سے کچھ زیادہ ہوتی ھے اوپر کے آزاد سرے پر منہ ہوتا ھے اس منہ کے چاروں طرف لمبے تاگے نما گیرے (پکڑنے کے اعضاء) نکلتے ھیں ان میں چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ھیں جن کو نیش کیسے کہتے ھیں۔ ضرورت کے وقت ان کیسوں سے زہریلے نیش (ڈنک) باہر نکلتے ھیں۔ جب کبھی اتفاق سے کوئی آبی حیوان یا دوسرا کیڑا کسی ایک گیرے کو چھولیتا ھے تو نیش کیسہ سے نیش نکل کر اسکو بے ہوش کردیتا ھے اور گیرے شکار کو منہ کے اندر پہنچا دیتے ھیں جہاں سے وہ پیٹ میں چلا جاتا ھے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت زندگی کا اصل گھوارہ سمندر ھے جہاں سے حیوانات کے مختلف گروہ اور قسمیں
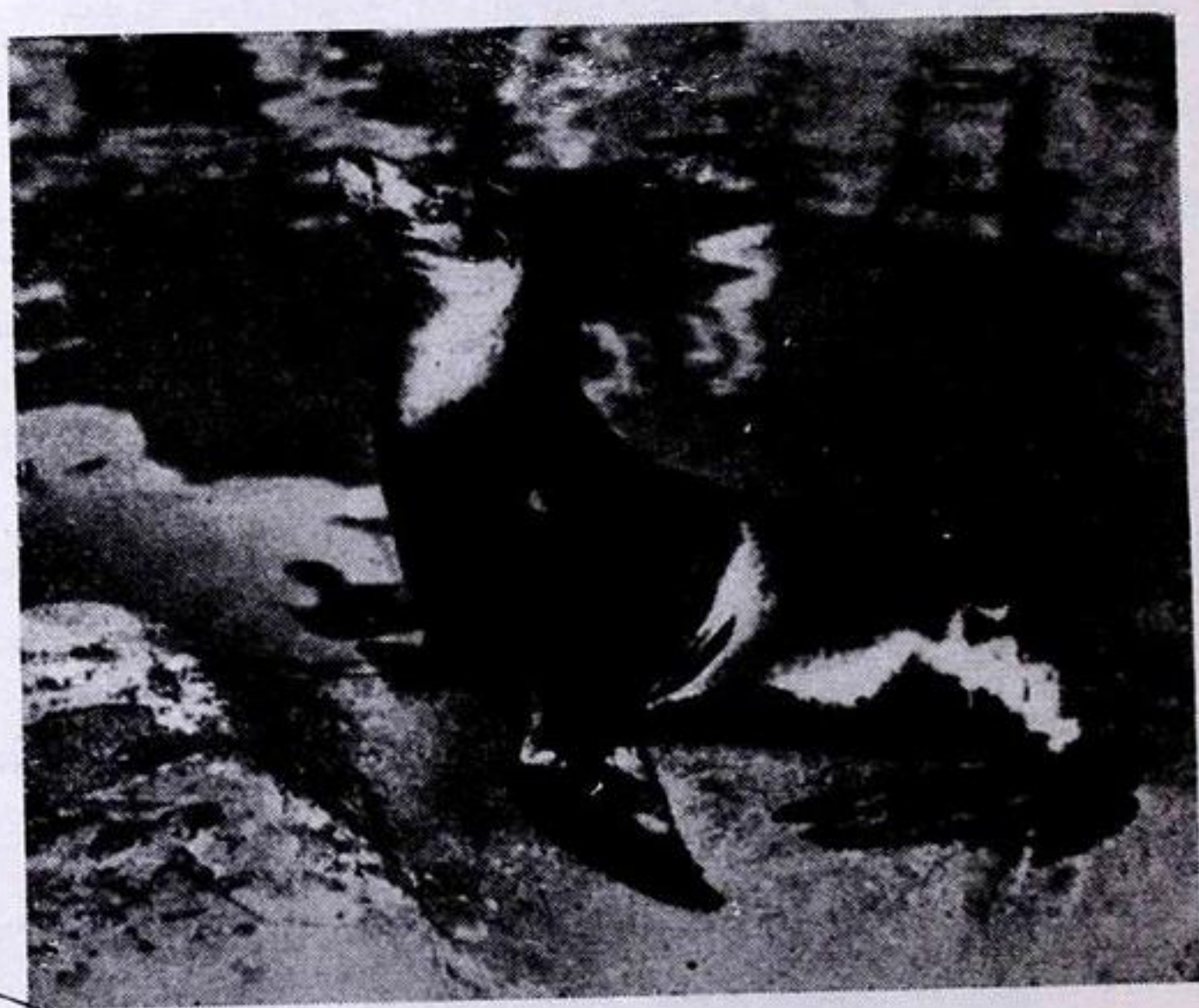
شکل ۵ - بحری (یا سمندری) شیر
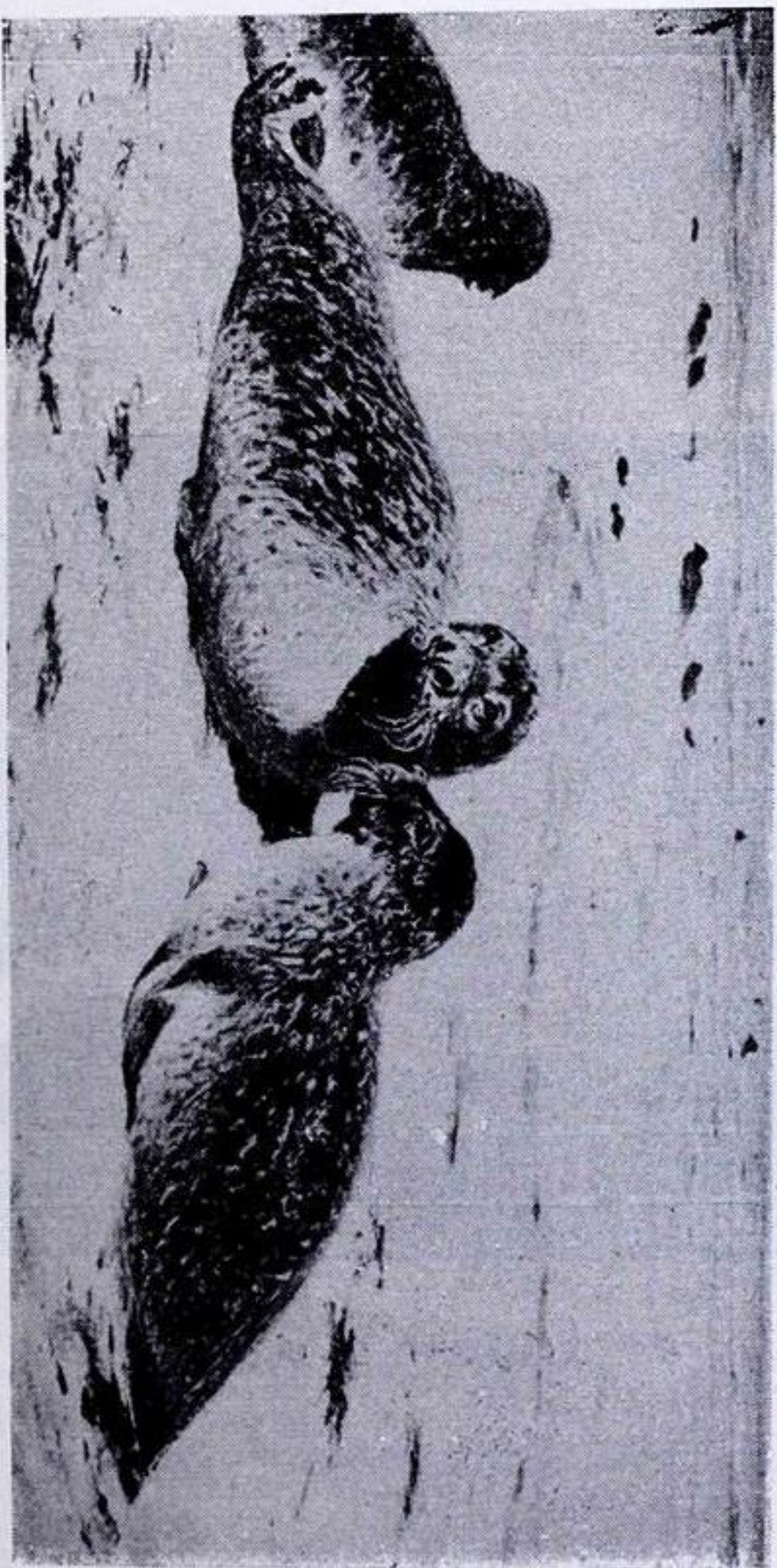
شکل ٦ ـ (الف) دریائی بچھڑے (سیل)

نقل مقام کر کے خشکی پر آگئے۔ اکثر اوقات حیوانات میں اصل گھوارے کی طرف واپس جانے کا رحجان پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحری شیر (شکل۔ ۵) جو کہ مچھلیوں کے خاص شکاری سمجھے جاتے ہیں، دراصل ریچھ کے رشتہ داروں میں سے ہیں جنھوں نے آبی زندگی کی وجہ سے اپنی جسمانی بناوٹ میں آبی زندگی کی صلاحیت پیدا کرلی ہے، یعنی ٹانگیں کشتی کے پتوار کے مانند ہوگئی ہیں تاکہ تیرنے میں آسانی ہو۔ گو پچھلی ٹانگیں سامنے کو موڑی جا سکتی ہیں اور ان سے حشکی پر چلنے میں مدد ملتی ہے، اصل دریائی بچھڑوں (شکل ٦۔ الف) میں انکے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی تغیر ہوا ہے کیونکہ انکی پچھلی ٹانگیں پیچھے کو مڑی ہوئی ہیں اور پچھلی جانب جا کر ایک جھلی کے ذریعہ دم سے مل گئی ہیں۔ سمندری ہاتھی والرس (شکل ٦۔ ب) بھی بحری گوشت خور حیوانات ہیں۔ وہیل اور ڈالفن کی قوم کے افراد بھی خشکی پر رہنے والے میمل (دودھ پلانے والے) کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی حیوانی غذا پر زندگی بسر کرتے ہیں بعض میں دانت بھی ہوتے ہیں۔ یہ مچھلیوں کی کثیر تعداد کو ہضم کرجاتے ہیں۔ ماہی گیروں کے لئے یہ سخت پریشانیوں کا باعث ہوتے ہیں۔ بعض ڈالفن سمندروں سے منتقل ہوکر دریاؤں میں چلی گئی ہیں اور اس طرح انہوں نے ہندوستان اور جنوبی امریکہ کے بعض دریاؤں میں رہنا شروع کردیا ہے۔

بعض وھیل بلا دانت کے ہوتی ھیں یہ گرین لینڈ وھیل کہلاتی ھیں انکی یہ خصوصیت ھے کہ سمندر کی سطح پر تیرنے والے چھوٹے حیوانوں کو غذا کے طور پر استعمال کرتی ھیں۔

بہت سے پرندوں نے بھی سمندر کو اپنا گھر اور مچھلی کو اپنی خاص غذا بنا لیا ھے۔ ان میں سے بیشتر پرندوں نے اپنی قوت پرواز کو باقی رکھا ھے لیکن ایک پرندکے پنکھ، جس کو پنگوین (شکل۔ ۷) کہتے ھیں پتوار میں تبدیل ہوگئے ھیں پچھلی ٹانگوں کی انگلیاں جھلی سے جڑی رہتی ھیں۔ چنانچہ ان کی مدد سے یہ پرندہ مچھلیوں سے بھی انکے اصل ماحول یعنی سمندر میں تیراکی میں سبقت لے جاتا ھے۔

بحری گوشت خور ریپٹائل (یعنی ہوام) مقابلتہ کم ھیں۔ گو یہ ہزاروں سال پہلے موجود تھے۔ اب بھی بحر ھند اور بحر اوقیانوس میں بڑے بڑے زہریلے سانپ پائے جاتے ھیں جو مچھلیوں پر زندگی بسر کرتے ھیں ایک قسم کا سمندری کچھوا ، جس کو باز منقاری کچھوا کہا جاتا ھے ، گوشت خور ہوتا ھے اس کی غذا میں مچھلیاں اور سیپیاں شامل ھیں۔

دنیا کے سمندروں میں جو بے شمار مچھلیاں پائی جاتی ھیں ان میں ایک کثیر تعداد ان مچھلیوں کی ھے جو زندہ شکار کو ، جو کہ مختلف حیوانات اور بالخصوص اپنی ہی جنس کے افراد پر مشتمل ہوتی ھے تعاقب کرکے نگل لیتی ھیں۔ شارک مچھلیاں اور ان کی قریبی

شکل ٦ - (ب) سمندری ہاتھی (وال رس)

شکل ۷ - پنگوئن چڑیا (بچے کو غذا کھلا رہی ہے)

رشتہ دار ، سگ ماہی (یا ، کتا مچھلی) مختلف قسم کی اپنی ہی جنس کی مچھلیوں کا شکار کرتی ھیں اور ان کی یہ شکارگاہ سمندر کی تہہ ہوتی ھے ان کی دم کے دونوں حصوں میں یکسانیت نہیں ہوتی یعنی دم کے پر کا اوپری حصہ بڑا ہوتا ھے جس کی وجہ سے ترچھا تیرنے میں بڑی آسانی ہوتی ھے بڑی شارک مچھلیوں کی لمبائی بالعموم ۱۲ سے ۱۵ فٹ تک ہوتی ھے لیکن بعض انواع میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ھے ، چنانچہ ایک خاص قسم کی شارک مچھلی (۵۰) فٹ سے زیادہ بھی لمبی ہوتی ھے اس گروہ کی ایک مچھلی کا سر ہتھوڑے کی مانند ہوتا ھے اور آنکھیں ہتھوڑے کے دونوں سروں پر پائی جاتی ھیں -

بہت زیادہ گوشت خور شارک مچھلیاں رے مچھلیاں یا اسکیٹ مچھلیاں کہلاتی ھیں انکا جسم چپٹا ہوتا ھے اور اگلی جانب پھیلا ہوا - پچھلی جانب ایک پتلی دم ہوتی ھے - بحرہند میں پائی جانے والی محض رے مچھلیوں کی چوڑائی ۱۸ فٹ تک اور وزن نصف ٹن سے زیادہ ہوتا ھے - رے مچھلیوں کی ایک قسم نیش رے (یعنی ڈنک والی رے مچھلی) کہلاتی ھے ان کی دم پر زہریلے کانٹے ہوتے ھیں - اس کے برعکس ، برقی رے مچھلی میں (شکل - ۸) ان کے پٹھوں (یا عضلات) کا ایک حصہ برقی عضو میں تبدیل ہوگیا ھے - ان برقی اعضاء کی وجہ سے وہ دوسرے حیوانات کے جسم میں برقی رو اور برقی جھٹکے پیدا کرکے ان کو بے ہوش کردیتی ھے - بہت سی مچھلیاں تیرنے میں بہت

تیز رفتار ہوتی ہیں اور وہ اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے شکار کا تعاقب کرکے اُسے زندہ نگل لیتی ہیں۔

بعض مچھلیاں اپنے شکار کی گھات میں ایک جگہ بیٹھی رہتی ہیں۔ چنانچہ ایسی ایک مچھلی اینگلر مچھلی کہلاتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو کم و بیش ریت کے اندر بند کرلیتی ہے اسکی پیٹھ پر جو تاگہ نما پر (زعنفہ) پایا جاتا ہے اس کے سرے پر ایک متحرک جھلی جڑی ہوتی ہے جس کی مسلسل حرکت سے چھوٹی مچھلیاں متحیر ہوکر اسکے پاس یہ معلوم کرنیکے لئے آتی ہیں کہ وہ کیا ہے اور جب یہ اسکے بالکل قریب پہنچ جاتی ہیں تو اینگلر مچھلی یکایک منہ پھیلا کر انکی طرف دوڑتی ہے اور تمام چھوٹی مچھلیاں آناً فاناً اسکے منہ میں غائب ہوجاتی ہیں۔ مچھلیاں اسکے منہ سے، باوجود کوشش کے بھی نہیں نکل سکتیں۔ کیونکہ اینگلر مچھلی کے منہ میں بیشمار دانت ہوتے ہیں جو چھوٹی مچھلیوں کو باہر نکلنے سے روکتے ہیں۔

سمندر کی زیادہ گہرائیوں میں بڑی بڑی ہیبتناک اور خونخوار مچھلیاں پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے کا شکار بھی کرتی ہیں اور کیکڑے، جھینگے وغیرہ کی قسم کے حیوانات کو نگل لیتی ہیں۔

چونکہ سمندر کی گہرائیوں میں آفتاب کی شعاعیں نہیں پہنچ سکتیں اس لئے سمندر کے یہ «بھوت» یا تو نابینا ہوتے ہیں یا
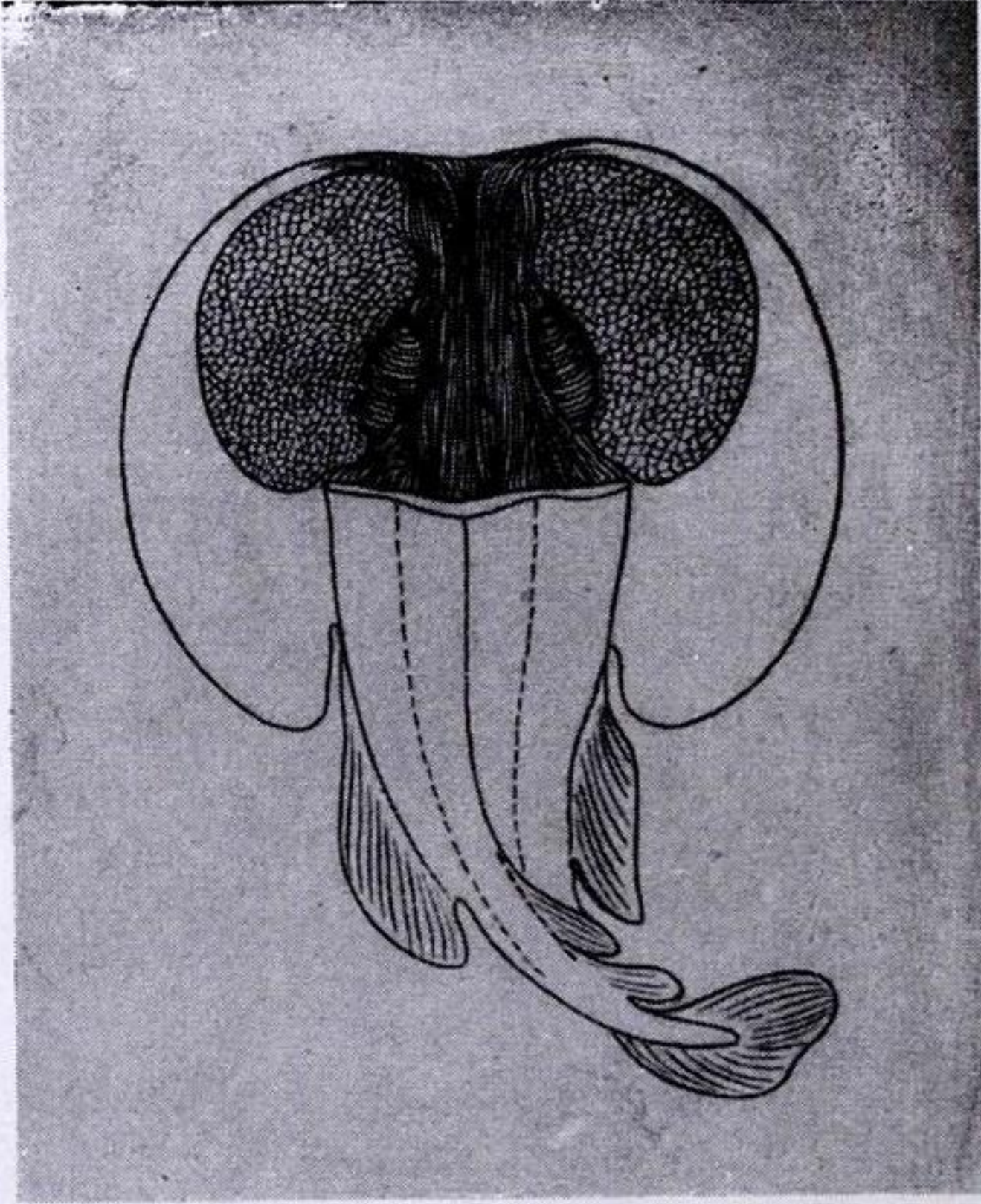
(شکل ۔ ۸) برقی رے مچھلی
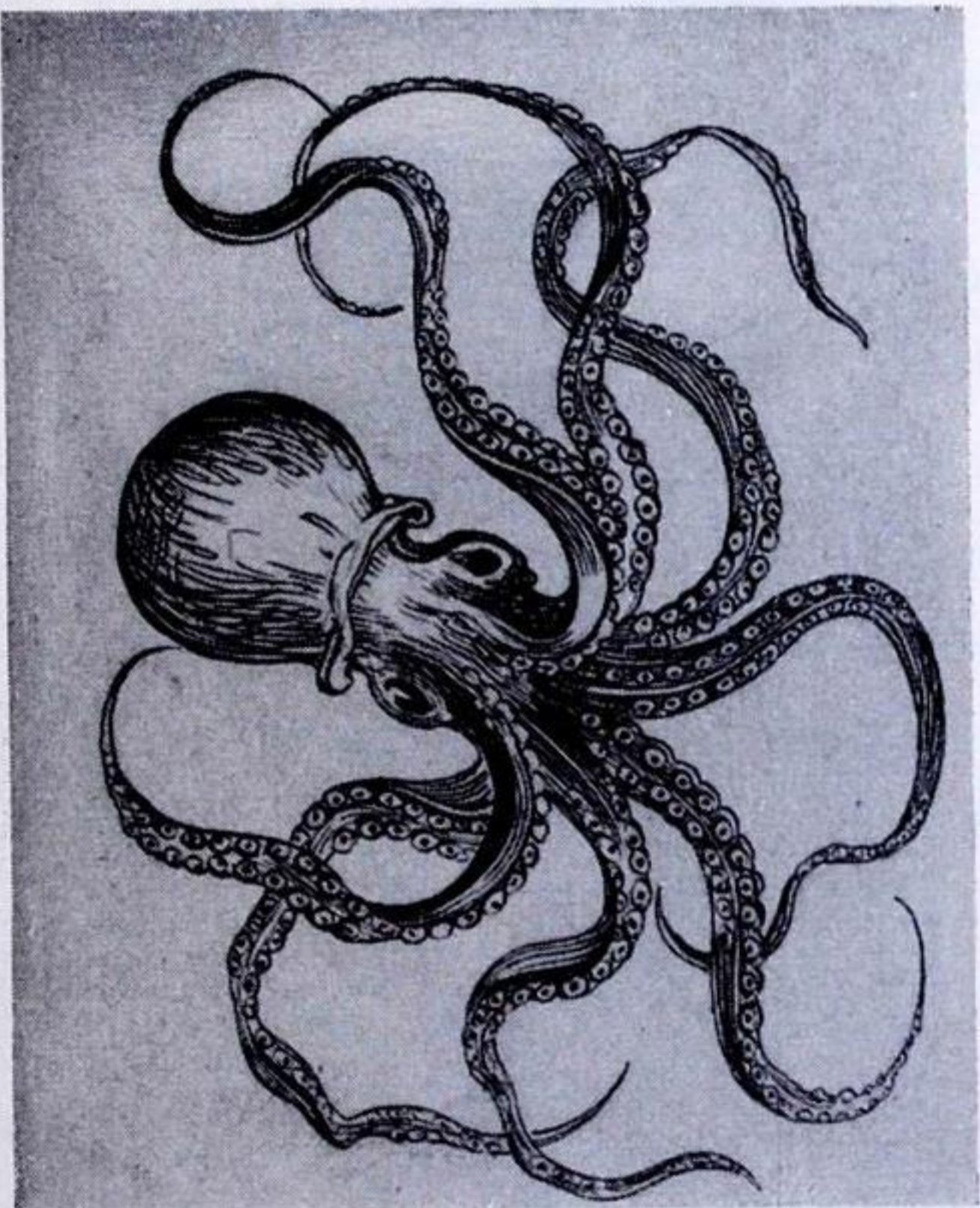
شکل ۹ ۔ آکٹوپس (آٹھ بازوؤں والی مچھلی)

ان کی آنکھیں بڑی عینک کے مانند ہوتی ہیں جن کے لئے روشنی ان فاسفورسی اعضا سے پیدا ہوتی ہے جو ان کے جسم کے مختلف حصوں میں موجود ہوتے ہیں۔

چپٹی مچھلیاں شکل و ساخت میں رے مچھلیوں سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ یہ اوپر سے نیچے کی طرف چپٹے ہونے کے بجائے دائیں اور بائیں جانب سے چپٹی ہوتی ہیں اور معمولی حالت میں تیرتی پھرتی ہیں پھر آہستہ آہستہ کسی ایک جانب تہہ پر بیٹھنے لگتی ہیں اور وہاں پہنچ کر شکار کرتی ہیں۔

سمندر میں سیپیوں کے خاندان کے بعض عجیب و غریب حیوانات پائے جاتے ہیں ان کو آکٹوپس (آٹھ بازو والی مچھلی) اور اسکوئڈ (دس ڈنک والی مچھلی) کہا جاتا ہے (شکل - ۹اور ۱۰) اسکا جسم لنبا ہوتا ہے اور یہ حیوان پانی میں تیر کے مانند تیز جاتا ہے۔ اسکے منہ کے چاروں طرف آٹھ یا دس بازو پائے جاتے ہیں جن میں سے دو بازو زیادہ لنبے ہوتے اور گیرے کہلاتے ہیں۔ گیروں پر ماصے یعنی چپکنے والے اعضا پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی شکار ان بازؤں اور گیروں کی گرفت میں آجائے تو پھر اسکا چھوٹنا محال ہوجاتا ہے بازو شکار کو پکڑ کر منہ میں لیجاتے ہیں۔ منہ میں چونچ کے مانند ایک سخت حصہ ہوتا ہے اور اسی سے شکار کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے۔ ان مچھلیوں کی آنکھیں بڑی اور چمکدار ہوتی ہیں۔ یہ ماحول کے مطابق اپنا رنگ بدل سکتی ہیں۔ ان کے

جسم کے اندر ایک سیاہی کی تھیلی پائی جاتی ہے چنانچہ جب کوئی دشمن حملہ کرتا ہے تو آکٹوپس اور اسکونڈ دونوں تھیلی سے سیاہ رنگ خارج کرتے ہیں جس کی وجہ سے پانی میں کالے گہرے رنگ کے بادل بن جاتے ہیں اور یہ حیوان اس تاریکی میں فرار ہوجاتے ہیں۔ امریکہ کے شمالی بحرالکاہل میں پائی جانیوالی بعض اسکوئڈ اور آکٹوپس (۵۰) فٹ تک لانبے ہوتے ہیں۔ بعض وقت جب انسان ان سمندروں میں نہاتے ہیں تو یہ آٹھ بازو والے آکٹوپس انسان پر بھی حملہ کرتے اور اپنے بازوؤں میں اسکو اس طرح جکڑ لیتے ہیں کہ ان سے آزاد ہونا مشکل ہوجاتا ہے۔
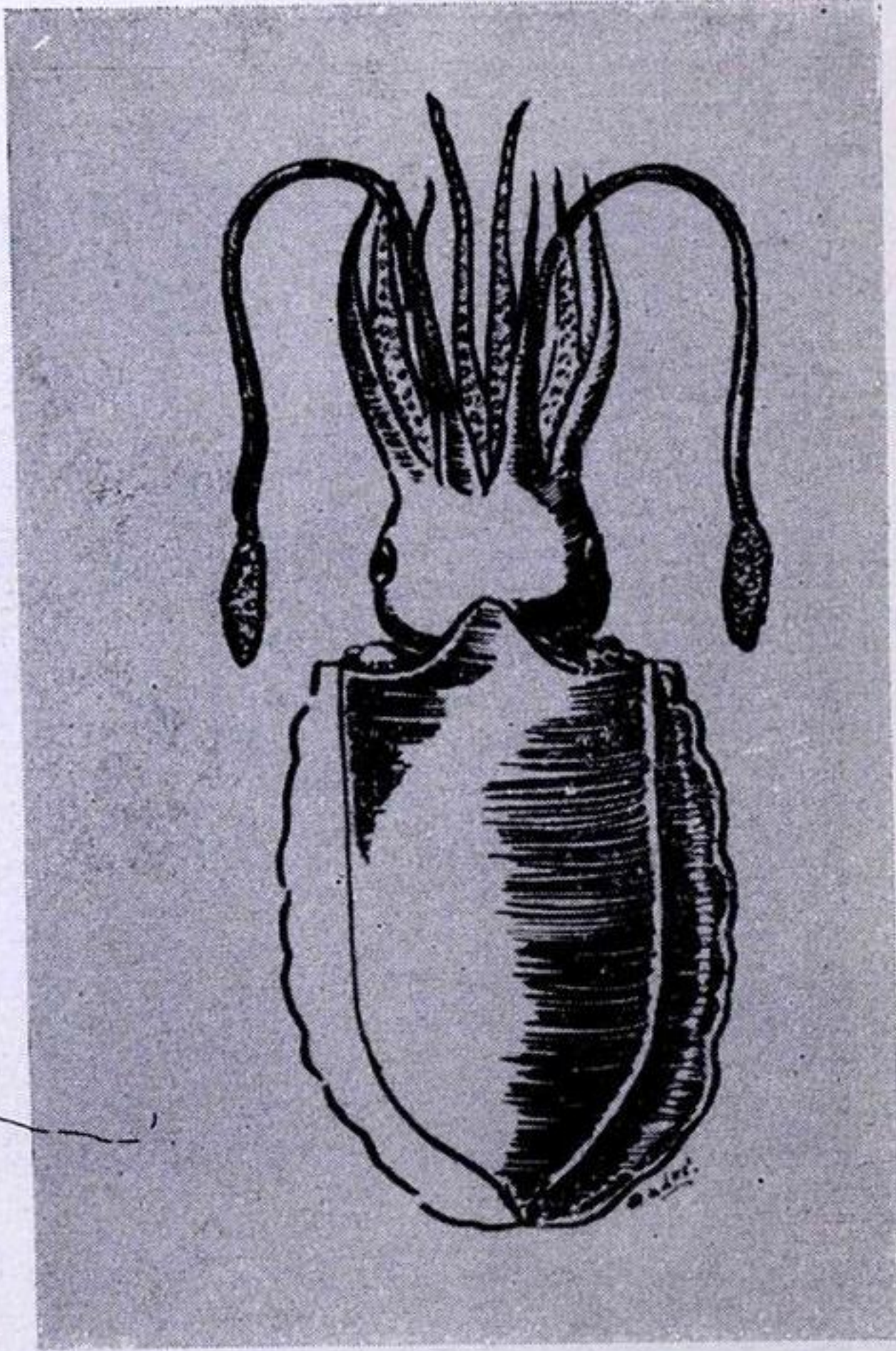
شکل ۱۰ ـ اسکوئڈ (دس بازوؤں والی مچھلی)
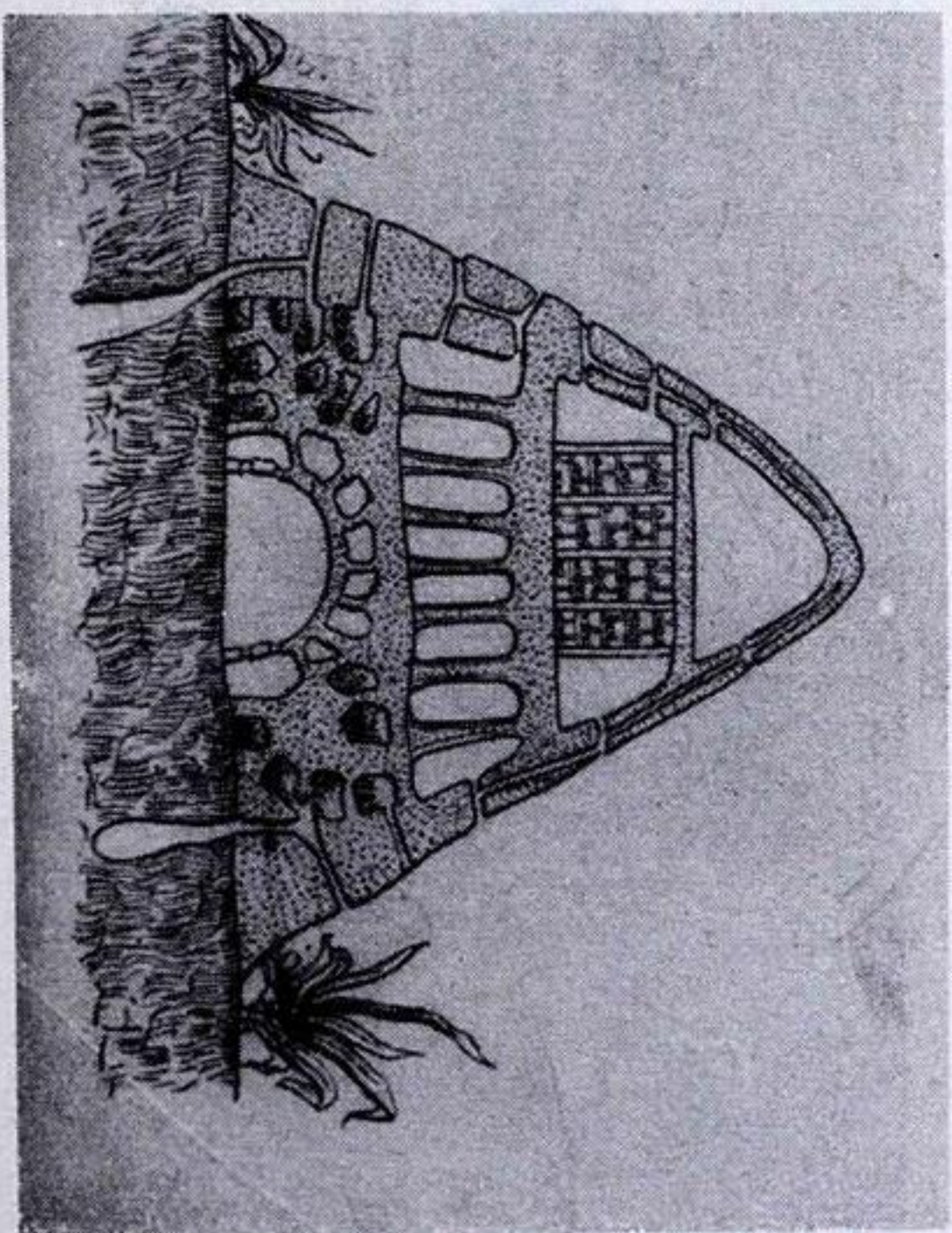
(شکل - ۱۱) دیمک کا چھتہ (اندرونی بناوٹ)

چوتھا باب

حیوانوں کے مسکن اور گھر

گھر بنا کر رہنا انسان کی فطرت میں داخل ہو گیا ہے - اسی طرح دنیا کے بیشمار حیوانات میں سے بہت سے ایسے ہیں جو گھر بنا کر رہتے ہیں اور بہت سے بے گھر ہی رہ کر زندگی گذار دیتے ہیں - ایسے حیوانات کے رہنے اور ٹھرنے کی کوئی جگہ مقرر نہیں ہوتی - بلکہ یہ آوارہ گرد ہوتے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر مارے مارے پھرتے ہیں - ان میں سے جو زمین پر رہتے ہیں وہ کسی جنگل ، کھیت ، درخت یا میدان میں بسر کرتے ہیں اور جو پانی میں رہتے ہیں وہ تالاب ، دریا ، یا سمندر کی تہ میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں ، یا پھر کنارے ہی پر پتھر گھاس یا پودوں کے سہارے ٹھر جاتے ہیں -

گھر بنانے کی خاصیت چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے - چنانچہ ہم اب ریڑھ دار اور بے ریڑھ کے جانوروں کے گھر کا حال آپ کو سناتے ہیں -

بے ہڈی کے حیوانوں میں سب سے پہلے آپ مکڑی کے گھر پر نظر ڈالئے ، جس کو « مکڑی کا جالا » کہتے ہیں یہ جالا

دراصل ایک قسم کے ریشم کے تاروں سے درخت کی شاخوں، گھاس، پودوں اور اکثر گھر کے کسی کونے میں تانا جاتا ہے اس میں تار « دو طریقوں سے پھیلائے جاتے ہیں - ایک تو وہ تار جو سورج کی کرن کے مانند ایک مرکز سے نکل کر چاروں طرف پھیلے رہتے ہیں، اور دوسرے وہ جو دائرے کی شکل میں ایک دوسرے سے برابر برابر فاصلہ پر مرکز کے چاروں طرف تانے جاتے ہیں - مکڑی اس جالے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ بڑی آسانی سے آتی جاتی ہے - اسکا گھر حیوانی صنعت اور کاریگری کا ایک بہت خوبصورت نمونہ سمجھا جاتا ہے -

مکڑی کی ایک اور قسم پھندا مکڑی کے نام سے مشہور ہے یہ زمین کے اندر سوراخ بنا کر رہتی ہے اور اپنے سوراخ کے دہانے پر مٹی کا ایک ڈھکنا بنا لیتی ہے جو تار کے ذریعہ کھینچ کر بند کر لیا جاتا ہے -

دیمک کے چھتے عام طور پر گھروں میں لکڑی کے سامان، دروازوں اور درختوں کے تنوں اور میدانوں میں بھی مٹی کے ڈھیر کی شکل میں نظر آتے ہیں - اکثر دیمکوں کے گھر جو میدانوں میں بنے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، بعض ملکوں میں دس سے پندرہ فٹ تک اونچے ہوتے ہیں - اگر کسی دیمک کے چھتے کو تراش کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکے اندر مختلف بناوٹ کے کمرے ہوتے ہیں (شکل - ۱۱) جس میں دیمک کے کنبہ اور بستی کے مختلف
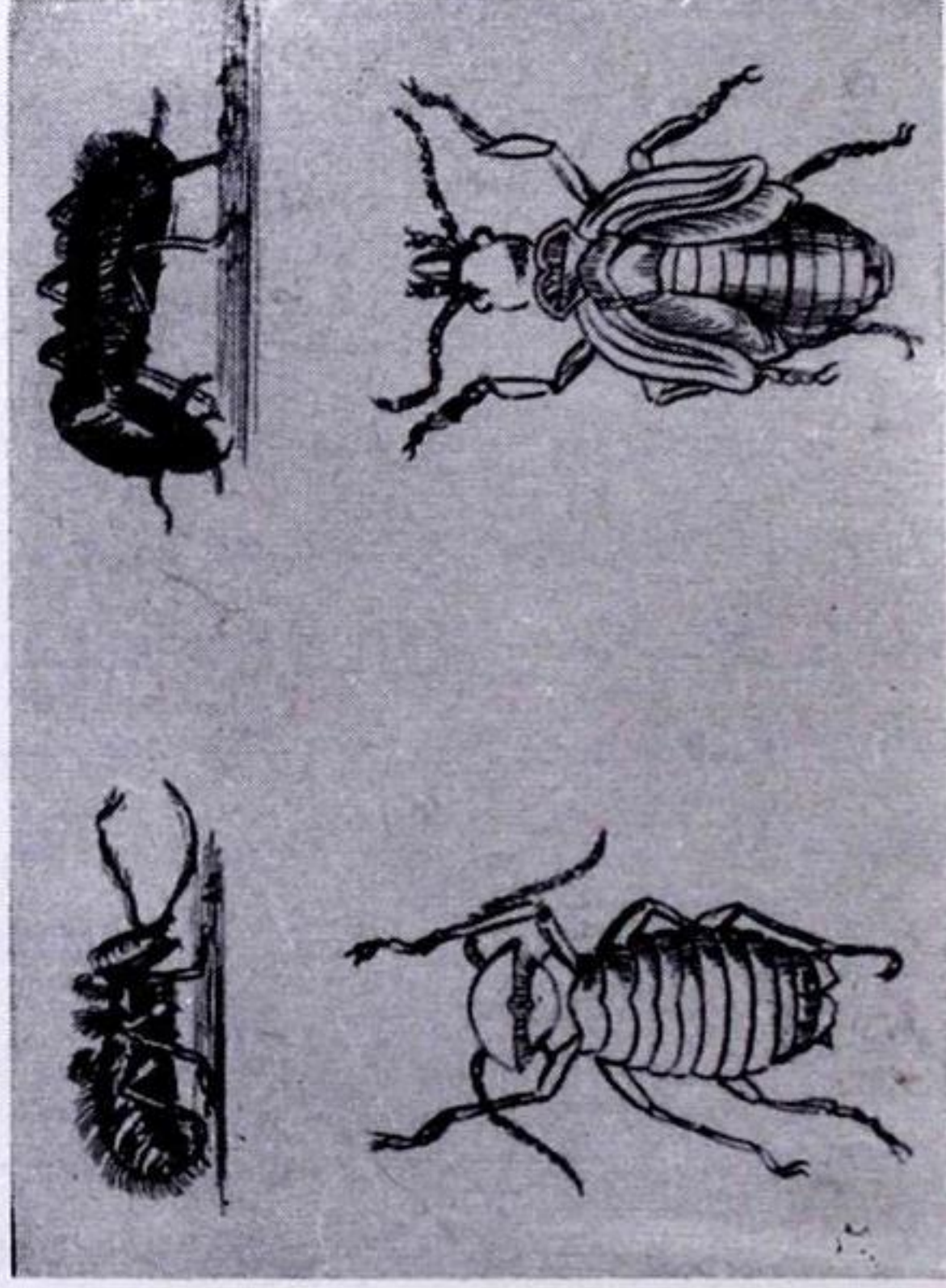
(شکل - ۱۲) الف اوپر (دائیں طرف) سولجر (محافظ) (بائیں جانب) کارکن (ورکر)
نیچے (") لاروا (سردہ) (") کارکن (نچلی جانب سے)

شکل اور صورت کے افراد رہتے ھیں۔ مثلاً (۱) کام کرنیوالی یا مزدور (کارکن) دیمک (۲) حفاظت کرنے والی (یا لڑنے والی) دیمک (دو پہلو) (۳) پھلروپ (یا سروہ) اور (٤) بچے پیدا کرنے والی دیمک، یعنی ملکہ اور (۵) شاہ (شکل نمبر۔ ۱۲ الف و ب)

شکل نمبر ۱۱ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ھے کہ دیمک کے چھتے میں چار بڑے کمرے ہوتے ھیں ۔ سب سے اوپر کا کمرہ بڑا ہوادار اور خالی رہتا ھے یہ ایک طرح کی بیٹھک کا کام دیتا ھے جس میں یہ کیڑے آکر ٹھہرتے اور پھر وہاں سے دوسرے کمروں میں چلے جاتے ھیں ۔ دوسرا کمرا پرورش گاہ ھے جہاں بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی جاتی ھے ۔ اس کمرے میں نیچے اوپر چھوٹے چھوٹے کئی ایک خانے بنے ہوتے ھیں ۔ اس کے نیچے تیسرا کمرا ایک بڑے ہال کے مانند ھے ۔ سب سے نیچے شاہی کمرہ (ش) ھے اس میں نر اور مادہ (یعنی ملکہ اور شاہ) کو رکھا جاتا ھے ۔ اسکے ارد گرد ذخیروں کے کمرے یا گودام (گ) ھیں جن میں کھانے کا سامان جمع کیا جاتا ھے ۔ ملکہ اور شاہ کے کمرے کے پاس کارکن (ورکر) دیمکوں کے کمرے ہوتے ھیں ۔ دیمک کے چھتے کی بناوٹ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ھے کہ یہ سماجی (سوشیل) کیڑے گھر بنانے میں کتنے ہوشیار ہوتے ھیں ۔

صنعت اور کاریگری کے لحاظ سے گھر بنانے میں شہد کی مکھی (شکل ۔ ۱۳) بھی ہوشیار سمجھی جاتی ھے ۔ یہ اپنا چھتہ

(شکل ـ ١٤) بہت سمجھ بوجھ کر بناتی ھے جو بالکلیہ موم سے تیار کیا جاتا ھے اور ان کے خانوں کی لنبائی اور چوڑائی ریاضی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتی ھے اور ان میں ذرا بھی فرق نہیں ہوتا۔ چاروں طرف کے خانے تو ایک دوسرے کے برابر ہوتے ھیں لیکن اندر کی جانب بعض خانے بڑے اور خاص قسم کے بنائے جاتے ھیں۔ ان میں سے ایک بڑا خانہ ملکہ کے لئے ہوتا ھے جسکا کام انڈے دینا ھے انڈوں سے جو بچے نکلتے ھیں وہ بھی خاص وضع کے خانوں میں رکھے جاتے ھیں جہاں ان کی پرورش کی جاتی ھے۔ کام کرنیوالی مکھیوں کے لئے بھی بڑے ہوادار کمرے ہوتے ھیں۔ ان سب کے علاوہ شہد جمع کرنیکے لئے بھی علحدہ کمرے ہوتے ھیں جن میں صرف شہد جمع کیا جاتا ھے۔ چھتے میں جو غلاظت اور بیکار چیزیں پیدا ہوتی رہتی ھیں انہیں فوراً باہر پھینک دیا جاتا ھے۔

حیوانوں میں چیونٹیاں بھی بڑی ہوشیار، ذہین اور بڑی کاریگر سمجھی جاتی ھیں ان کے گھر « چیونٹیوں کے بل » کہلاتے ھیں۔ یہ اسقدر ہوشیاری اور سمجھ سے بنائے جاتے ھیں کہ ہمیں دیکھ کر تعجب ہوتا ھے۔ ان کا تعمیری کام بہت تعریف کے قابل ہوتا ھے۔ وہ اپنی بستیوں میں سڑکیں، سرنگیں، پل اور بند راستے بناتی ھیں اور ان کے اندر رہنے کے لئے بڑے بڑے آرام دہ کمرے ہوتے ھیں۔ ان بستیوں میں رہنے والے دن رات اپنے اپنے فرض ادا کرنے میں لگے رہتے ھے۔
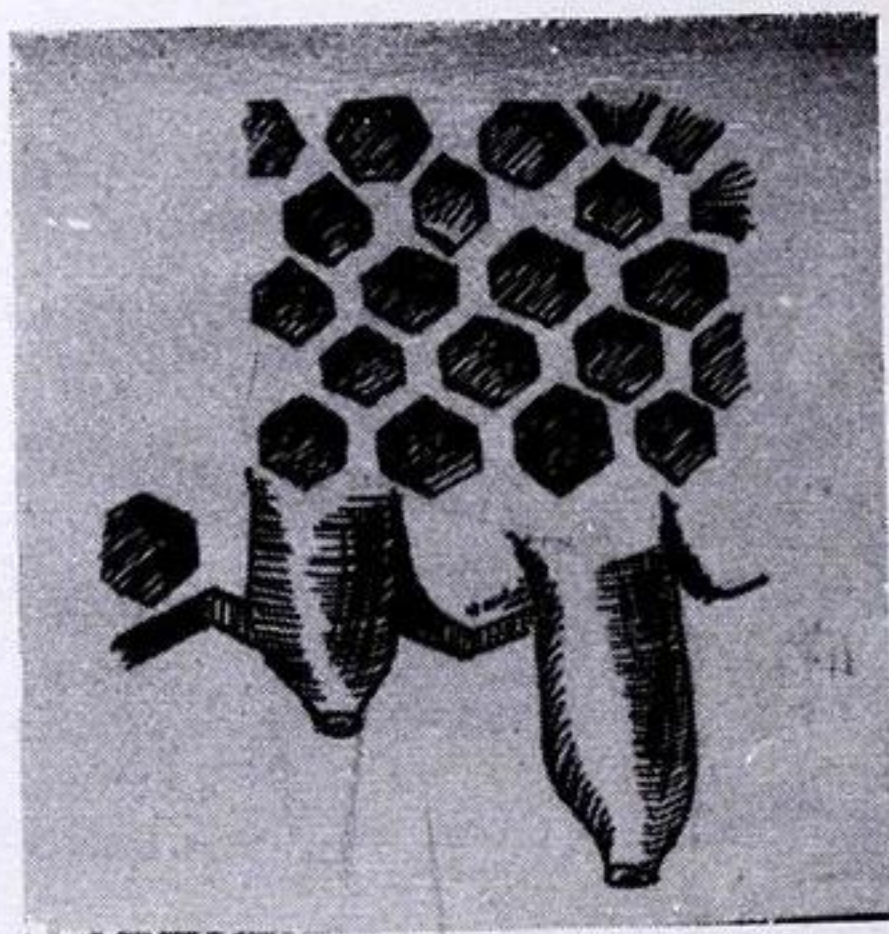
(شکل - ۱٤) شہد کی مکھی کا چھتہ
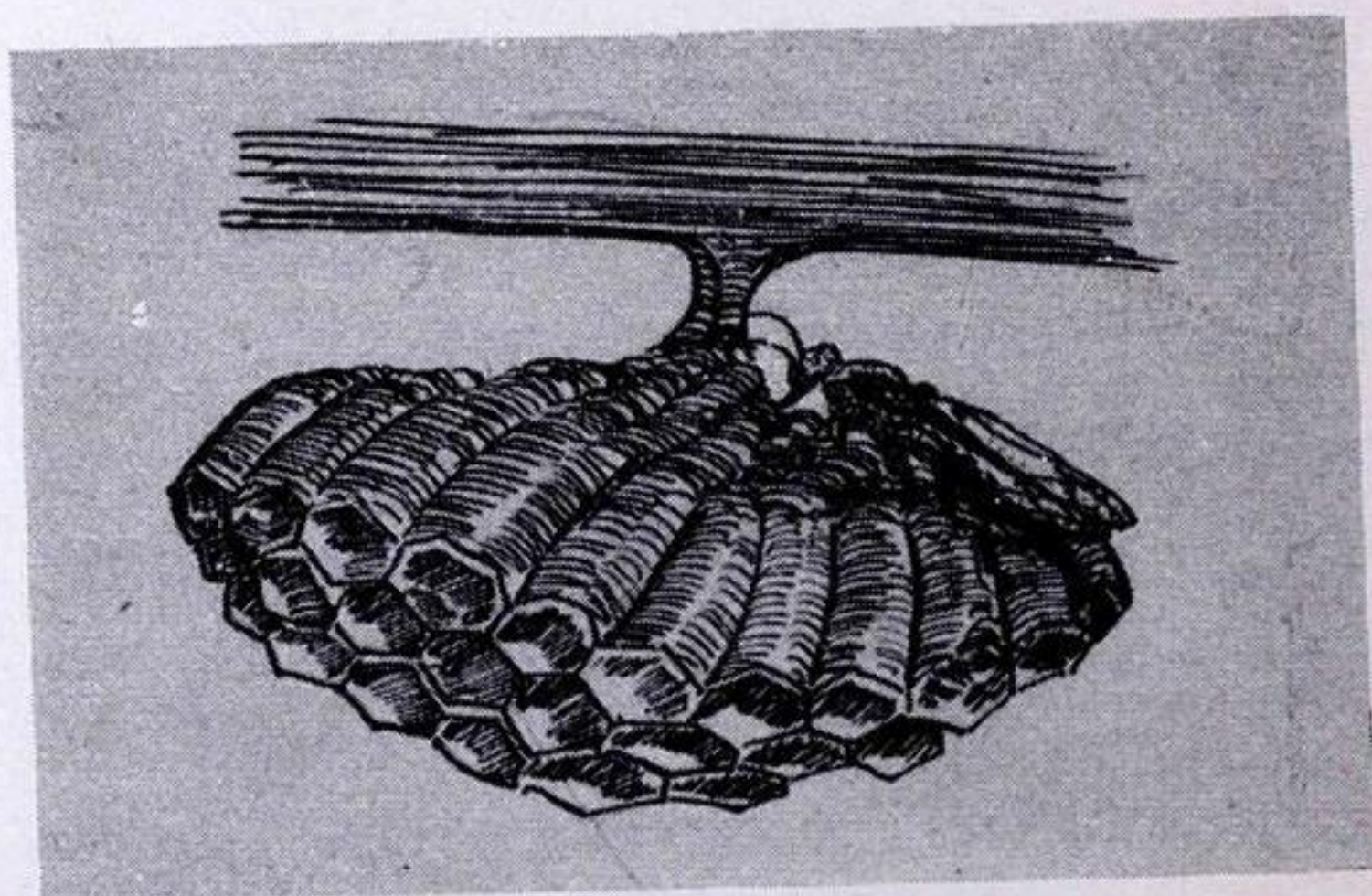
(شکل - ۱۵) بھڑ (یا ، زنبور) کا چھتہ

بھڑ (زنبور) کا چھتہ بھی شہد کی مکھی کے مانند ہوتا ھے فرق صرف یہ ھے کہ شہد کی مکھی کا چھتہ صرف موم سے بنایا جاتا ھے اور بھڑ کے، چھتے موم کے علاوہ ایک کاغذ جیسے مادے سے بنائے جاتے ھیں۔ (شکل - ١٥)

بہت سے کیڑے ایسے ھیں جو درختوں ، پھلوں اور اناج کے اندر اپنا گھر بنا لیتے ھیں ، اور انہیں میں زندگی بسر کرتے ھیں کئی قسم کے بھونرے ، پیڑوں کے تنوں میں سوراخ کر کے ان کے اندر رہتے ھیں۔ اناجوں میں رہنے والے کیڑوں میں سب سے زیادہ نقصان دہ « گھن » ھے - ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے کیڑوں کے پھلروپ ، جو کمبل کے کیڑے کہلاتے ھیں ، پھلوں ہی میں رہتے ھیں -

ایک کیڑے کا گھر نہایت ہی عجیب طرح کا ہوتا ھے اسکا نام لعابی کیڑا ھے کیونکہ یہ اپنے جسم سے ایک رس خارج کرتا ھے جو بلبلوں کے مانند ہوتا ھے اور آدمی کے تھوک یا لعاب سے ملتا جلتا ھے ، یہ رس اس کیڑے کے جسم کے چاروں طرف لپٹ جاتا ھے اور اس طرح یہ ننھا سا کیڑا اسکے اندر محفوظ رہتا ھے - اور جب تک یہ عرق سوکھ نہ جائے اسے کوئی خوف نہیں ہوتا - (شکل - ١٦)

کیکڑے کئی قسم کے ہوتے ھیں جو پانی میں بھی رہتے ھیں اور زمین پر بھی - پانی کے کیکڑے پانی کے اندر پتھروں کے نیچے یا درازوں میں چھپے رہتے ھیں اور زمین پر رہنے والے زمین کے

سوراخوں اور گڑھوں میں۔ لیکن ایک خاص قسم کا کیکڑا جس کو راھب کیکڑا (یا گوسائیں کیکڑا) کہتے ھیں اپنے لئے خود کوئی گھر نہیں بناتا، البتہ یہ کرتا ھے کہ بعض مرے ہوئے گھونگھوں کے خول میں جاکر چھپ جاتا ھے اور مرتے دم تک کوئی اسکو اس میں سے نکال نہیں سکتا جب تک کہ وہ خود اس میں سے باہر نکلنا نہ چاہے۔ (شکل ۔ ۱۷)

بے ریڑھ کے حیوانات میں بعض سیپیاں ایسی ہوتی ھیں جو لکڑی یا شہتیروں میں اپنا گھر بنا لیتی ھیں۔ چنانچہ سمندروں کے اندر جب سیپیاں جہازوں میں سوراخ کرکے اسکے اندر رہنے لگتی ھیں تو اس سے جہازوں کو بہت نقصان پہنچتا ھے۔ یہ سیپیاں جو جہازوں کے لکڑی کے حصوں میں رہنے لگتی ھیں جہازی سیپیاں کہلاتی ھیں۔

اب ریڑھ دار حیوانوں کے گھروں پہ نظر ڈالی جائے تو سب سے پہلے ہم کو مینڈک کے گروہ کے حیوانات اور مچھلیاں ملتی ھیں۔ مینڈک زمین پر آکر گڑھوں میں بھی رہتے ھیں اور پانی میں بھی لیکن یہ کوئی گھر یا مسکن نہیں بناتے۔ البتہ بعض مینڈک ایسے بھی ھیں جو درختوں پر رہتے ھیں۔ مینڈک کے قبیلے کے بعض جانور ہمیشہ کیچڑ میں رہتے ھیں اور ان کے آنکھیں نہیں ہوتیں۔

اسی طرح مچھلیاں بھی پانی میں عام طور پر کوئی مسکن یا گھونسلا نہیں بناتیں۔ وہ پانی ہی میں انڈے دیتی ھیں جو ادھر اُدھر

شکل - ۱۶ لعابی کیڑا اور اسکا گھر
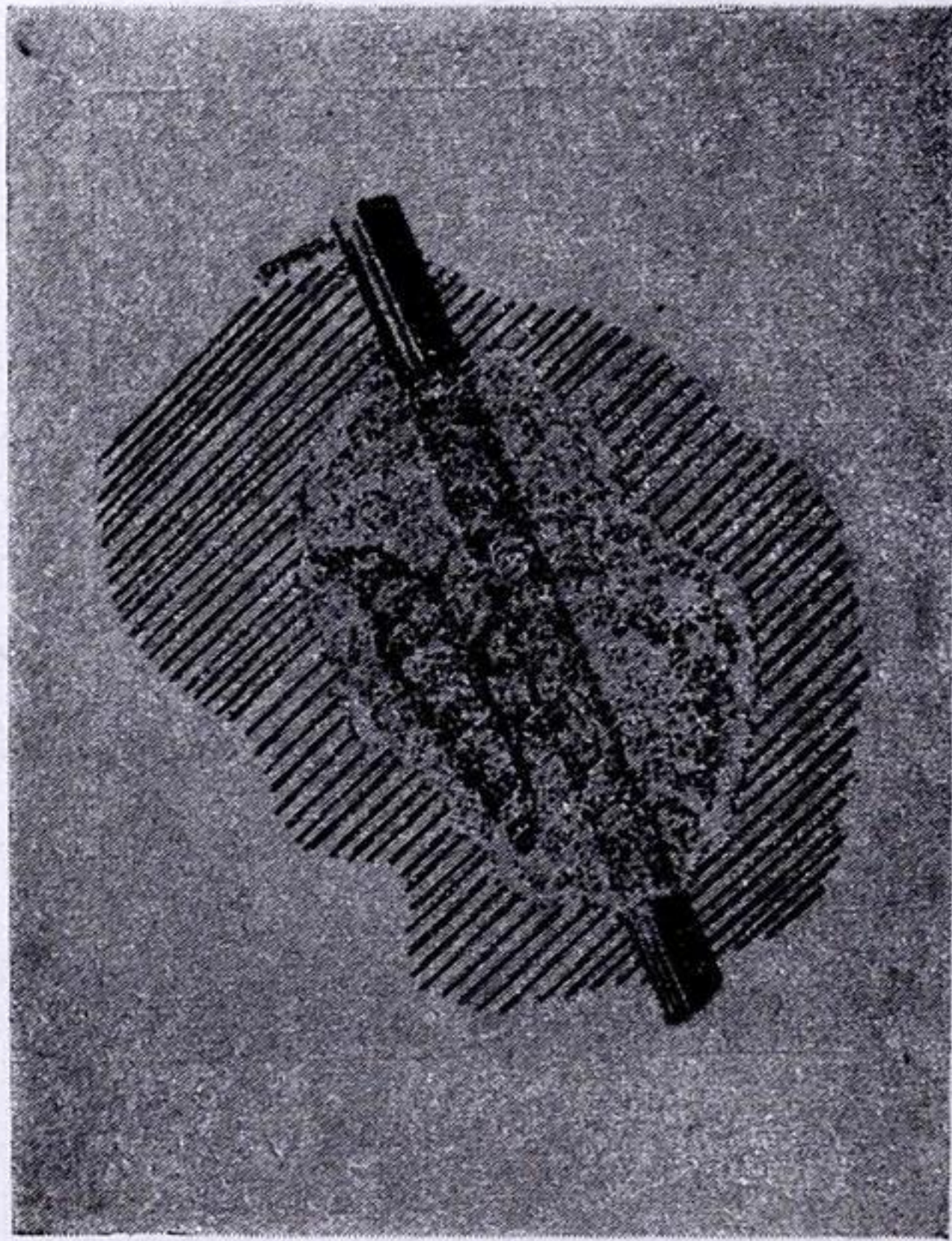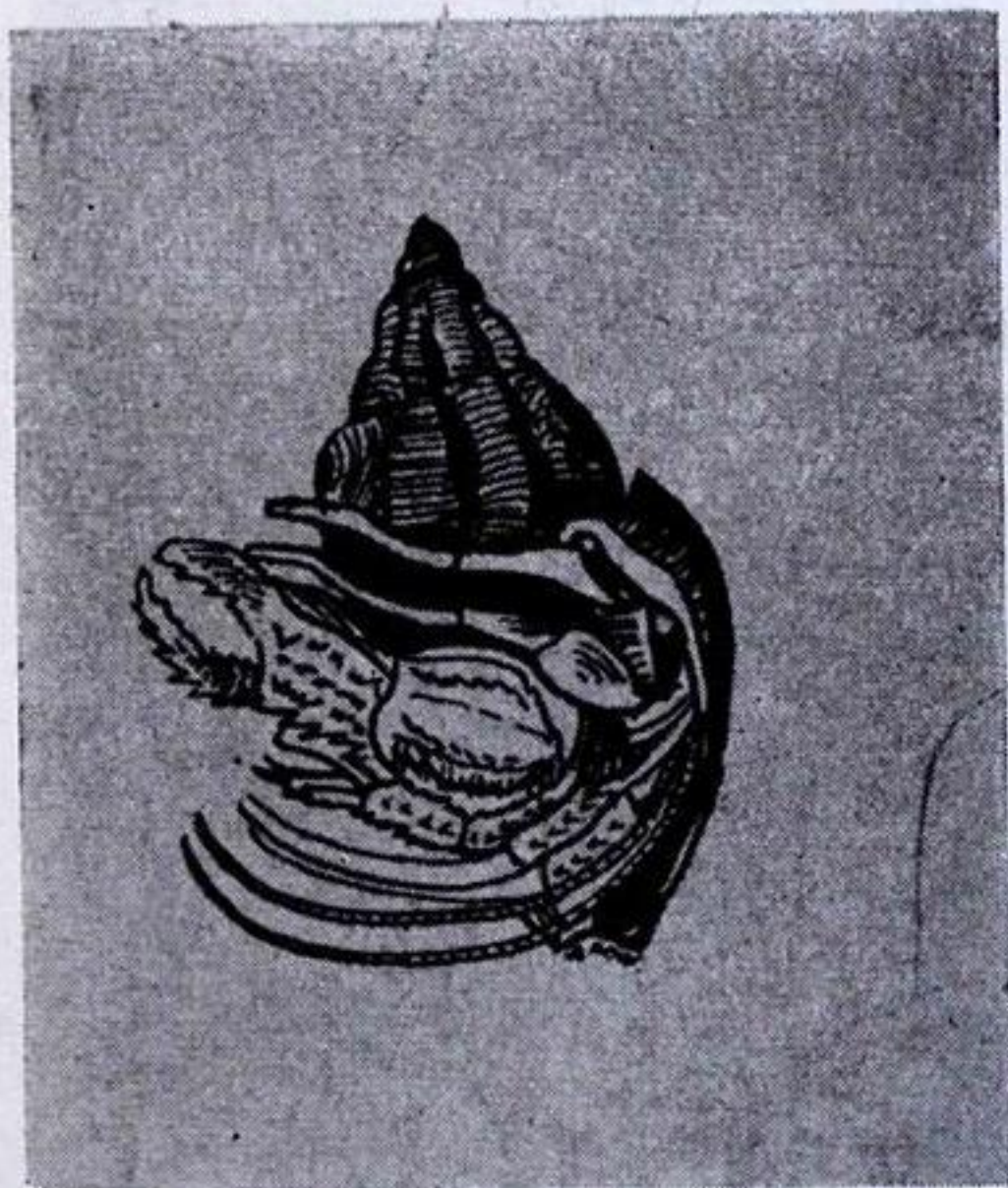
شکل ۷: ۔ راہب (گوسائیں) کیکڑا

تیرتے پھرتے ہیں اور ان میں سے بہت سے دوسرے جانوروں اور بعض مچھلیوں کی غذا بن جاتے ہیں۔ لیکن چند مچھلیاں پانی کے اندر گھونسلے بھی بناتی ہیں مثلاً ایک مچھلی « اسٹکل بیک » ہوتی ہے۔ یہ پانی میں اوگنے والے آبی پودوں کے پتوں اور گھاس کو بُن کر ایک مضبوط گھونسلا تیار کرلیتی ہے اور اس میں انڈے دیتی ہے اور بچے نکلنے تک ان انڈوں کی حفاظت کرتی ہے۔

سانپ پانی میں بھی رہتے ہیں اور زمین پر بھی۔ زمین میں رہنے والے سانپوں کے گھر کو « سانپ کا بل » کہا جاتا ہے یہ سادہ قسم کے سوراخ ہوتے ہیں جن کے اندر کمرے یا خانے وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔ بعض بڑے سانپ، جنکو اژدھا اور اجگر کہا جاتا ہے، عام طور پر درختوں کے تنوں اور شاخوں سے لپٹے ہوئے زندگی گذارتے ہیں اور بہت کم زمین پر آتے ہیں۔

پرندوں نے گھر بنانے کے فن میں بہت ترقی کی ہے اور غالباً حیوانوں کا یہی وہ گروہ ہے جس میں طرح طرح کے گھر پائے جاتے ہیں جن کو ہم « گھونسلا » کہتے ہیں۔ بعض پرندے بہت مضبوط اور خوبصورت گھونسلا بناتے ہیں۔ اور بعض بہت ہی سادہ اور پھس پھسا اور آسانی سے ٹوٹ جانیوالا، مثلاً کوے چیل اور کبوتر وغیرہ کے گھونسلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ پرندے درختوں کی دو تین ٹہنیوں کے ملاپ پر لکڑی، تنکے اور سوکھے پتے وغیرہ لاکر جمع کر دیتے ہیں اور اسکے اندر ایک گڑھا سا بنالیتے ہیں

جس میں وہ انڈے دیتے ہیں اور بچے نکلنے کے بعد وہ عموماً اس گھونسلے کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی دوسری جگہ نیا گھونسلا بنا لیتے ہیں۔ اگر آندھی زور سے چلے تو ایسے گھونسلے اڑ جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ ایسے گھونسلوں میں انڈے اور بچے محفوظ نہیں رہتے۔ کیونکہ یہ آسانی سے دشمنوں کو نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی تنکوں اور سوکھی لکڑیوں سے بنے ہوئے گھونسلے گوریا (گھر میں رہنے والی چڑیا) مینا اور فاختہ وغیرہ کے بھی ہوتے ہیں۔

بعض پرندوں کے متعلق یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ خود تو کوئی گھر بناتے نہیں، لیکن دوسروں کے بنے ہوئے گھروں سے فائدہ ضرور اٹھاتے ہیں ان میں سے ایک تو کوئل ہے اور دوسرا الو، کوئل کے متعلق یہ بڑی دلچسپ بات بیان کی جاتی ہے کہ یوں تو وہ دوسری چڑیوں کے مانند انڈے دیتی ہے اور اسکے بچے بھی نکلتے ہیں لیکن وہ نہ تو گھونسلا بناتی ہے اور نہ اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئل کے انڈے دینے کا زمانہ قریب آتا ہے، تو نر اور مادہ، دونوں کسی ایسے کوئے کو تلاش کرنے لگتے ہیں جو خود بھی انڈا دینے کیلئے گھونسلا بنا رہا ہو اور جب تک کوے کا گھونسلا بن نہیں جاتا کوئل اسکو دیکھتی رہتی ہے۔ چنانچہ جب کوا گھونسلا بنا کر انڈے دے چکتا ہے اور ان کو سینا شروع کرتا ہے تو نر اور مادہ کوئل کوے کو مار مار کر اس کو گھونسلے سے بھگا دیتے ہیں اور مادہ کوئل اسکے گھونسلے میں

شکل ۱۸ ۔ درزی پرندہ کا گھونسلا

شکل - ۱۹ سمندری چڑیا کا گھونسلا (یا ، گھر)

بیٹھ کر انڈے دیتی ہے اور انڈے دیکر اڑجاتی ہے کوئل کے جانیکے بعد کوا پھر واپس آکر انڈوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ اب کوئل کے بچے نکلنے کے بعد ان کی پرورش کا کام بھی کوے ہی کے ذمہ ہوتا ہے کوا، اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے اور کوئل کے بچوں کی بھی، کیونکہ وہ اپنے اور کوئل کے بچوں میں فرق نہیں کر سکتا۔ اُلو خود کوئی گھر نہیں بناتا، یہ یا تو ویران مقاموں اور کھنڈروں میں رہتا ہے یا کوے اور دوسرے پرندوں کے چھوڑے ہوئے گھونسلوں میں بسیرا کرتا ہے یا پھر درختوں کے کھوکھلے حصوں میں۔

گھونسلا بنانے کے فن میں بیا سب سے زیادہ ہوشیار پرندہ سمجھا جاتا ہے۔ گھاس اور کھجور کے پتوں سے باریک ریشوں اور تاروں کو بن کر نہایت خوبصورت اور مضبوط گھونسلا بناتا ہے جسکے اندر دو خانے ہوتے ہیں باہر کا خانہ بیٹھنے کے کام آتا ہے اور اندر کا خانہ انڈے دینے کیلئے ہوتا ہے۔ اسکا راستہ نیچے کی طرف ہوتا ہے، عام طور پر، بیا اپنا گھونسلا تالابوں اور دریاؤں کے کنارے بہت اونچے کھجور کے درختوں یا ببول کے پیڑوں اور کانٹے دار جھاڑیوں میں بناتا ہے تاکہ دشمن اسکے انڈوں اور بچوں کو کھا نہ جائیں۔ یہ ایک جھولا بھی بناتا ہے جس میں اکثر بارش کے وقت جھولا کرتا ہے، دوسرا ہوشیار پرندہ، درزی چڑا (ٹیلر برڈ) کے نام سے موسوم ہے۔ یہ چھوٹا سا پرندہ دو یا تین پتوں کو ملا کر گھاس کے مہین تاروں سے سی دیتا ہے اور اس طرح

ایک پیالہ یا پیپے نما شکل بن جاتی ھے (شکل ـ ۱۸) اس پیپے نما پتوں کے گھر میں وہ روئی اور درختوں کے ریشوں سے ایک مضبوط گھونسلا تیار کرلیتا ھے جس میں انڈے دیتا ھے ۔

سنہری پیٹھ والا کٹھ پھوڑا اپنی مضبوط اور موٹی نوکدار چونچ سے درختوں کے نرم حصوں کو کھوکھلا کرکے اسکے اندر گھونسلا بناتا ھے ، یا درختوں کے کھوکھلے حصوں کو اس کام میں لاتا ھے اور اسکے اندر انڈے دیتا ھے ۔ طوطا عموماً درختوں کے کھوکھلے حصوں اور درزوں میں اپنا گھر بنا لیتا ھے ۔

ابابیل تھوک ، چکنی مٹی اور پروں سے پرانی عمارتوں میں مضبوط گھونسلا بناتی ھے ۔ مچھلی مار پرندہ اپنا گھونسلا دریا کے رتیلے کناروں میں پیدا ہوجانیوالے سوراخوں میں بناتا ھے ۔

سمندروں کے کنارے رہنے والے اکثر پرندے مثلاً پیلیکن یا سمندری چڑیا وغیرہ ، سمندر کے کنارے پہاڑیوں اور چٹانوں پر گھونسلے بنا کر انڈے دیتے ھیں ۔ ان کو گھونسلا نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ لکڑی ، پتوں یا کسی دوسری چیز سے نہیں بنائے جاتے ۔ بلکہ پرندے کھلی ہوئی چٹانوں میں کسی گڑھے کو دیکھ کر اسی میں انڈے دیتے ھیں (شکل ـ ۱۹) گھونسلا یا گھر بنانے کی ضرورت پرندوں کو خاص کر اسی وقت پڑتی ھے جبکہ ان کو انڈے دینے ہوں اور بچوں کی پرورش کرنی ہو ۔

شکل ۔ ۲۲ چمپانزی

دنیا کے بعض ملکوں میں عجیب عجیب قسم کے جانور پائے جاتے ہیں جن کے گھر بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں مثلاً اسٹریلیا کا ایک ریچھ جسکو کولا کہا جاتا ہے اور جو دراصل درختوں پر رہتا ہے اپنے لنبے نرم بالوں کا ایک گھونسلا بنالیتا ہے، بچے اس گھونسلے سے اسی طرح چمٹے رہتے ہیں جیسے بندروں کے بچے درختوں کی کسی شاخ سے لپٹے رہتے ہیں۔

خرگوش اپنے گھر زمین کے اندر گڑھے اور «سرنگ» کی شکل میں بناتے ہیں۔ خرگوش کی دو قسمیں ہوتی ہیں جنکو «ہیر» اور «ریبٹ» کہا جاتا ہے۔ «ہیر خرگوش» جھاڑیوں اور گھاس کے میدانوں میں رہتا ہے۔ یہ نہ تو چوہوں کے مانند زمین کے اندر بل بناتا ہے اور نہ گلہریوں کی طرح درختوں پر چڑھتا ہے۔ یہ گھاس کو پیروں سے روند کر ایک گڑھا سا بنا لیتا ہے اور اسی میں بیٹھا رہتا ہے اس گڑھے کو «فارم» کہتے ہیں۔ جب ایک ہیر (خرگوش) اپنے فارم میں بیٹھا ہو تو اسے آسانی سے پہچانا نہیں جا سکتا۔ (شکل - ۲۰)

اس کے برعکس دوسری قسم کا خرگوش جو «ریبٹ» کہلاتا ہے زمین کے اندر سرنگیں بنا کر رہتا ہے (شکل - ۲۱) لیکن جب مادہ خرگوش کے بچے دینے کا زمانہ قریب آتا ہے تو وہ اپنے رہائش کی سرنگوں سے تھوڑی دور پر ایک الگ سرنگ بناتی ہے جسکے اندر جانے کا راستہ صرف ایک ہی سوراخ کی شکل

میں ہوتا ہے ۔ مادہ ایک گھونسلا بناتی ہے جس میں زیادہ تر وہ اپنے ہی جسم کے بال استعمال کرتی ہے (جس طرح بعض بطیں اپنے پروں کا گھونسلا بناتی ہیں) اور یہ گھونسلا وہ نئی سرنگ کے اندر رکھ دیتی ہے جس میں بچے پیدا ہوتے ہیں ۔ جب مادہ غذا کی تلاش میں باہر چلی جاتی ہے تو نر سوراخ کو اتنی عمدگی سے بند کر دیتا ہے کہ تیز سے تیز نظر بھی اسکا پتہ نہیں لگا سکتی ۔

گلہری ، روئی ، کپڑے ، بال اور پتوں وغیرہ کو ملا کر ایک بہت آرام دہ گھر بنالیتی ہے جو مضبوط بھی خاصا ہوتا ہے ۔ یہ گھر یا تو درختوں کے کھوکھلے حصوں میں یا گھروں میں کسی محفوظ جگہ پر بنائے جاتے ہیں ۔

چوہے اور چھچھوندریں دونوں زمین میں سرنگیں اور بل بنا کر رہتے ہیں ۔ یہ سرنگیں بالکل سادہ ، لنبی لنبی نالیوں کے مانند ہوتی ہیں جنکے کئی راستے ہوتے ہیں ۔ ان سرنگوں کے نچلے حصے میں مادہ بچے دیتی ہے اور ان کی پرورش کرتی ہے کھیتوں میں رہنے والے چوہے ، جنکو فصلی چوہے کہتے ہیں اکثر کھیتوں میں اونچے پودوں کی شاخوں پر ایک چھوٹا سا گلہری کے گھونسلے کی طرح کا گھر بنالیتے ہیں اسی طرح نیولا (منگوس) بھی زمین میں سرنگیں بناکر رہتا ہے ۔

شیر کے مسکن کو کچھار یا گوی بھی کہتے ہیں اسکا حال غالباً سب کو معلوم ہوگا ۔ شیر خود کسی قسم کا گھر نہیں بناتا بلکہ
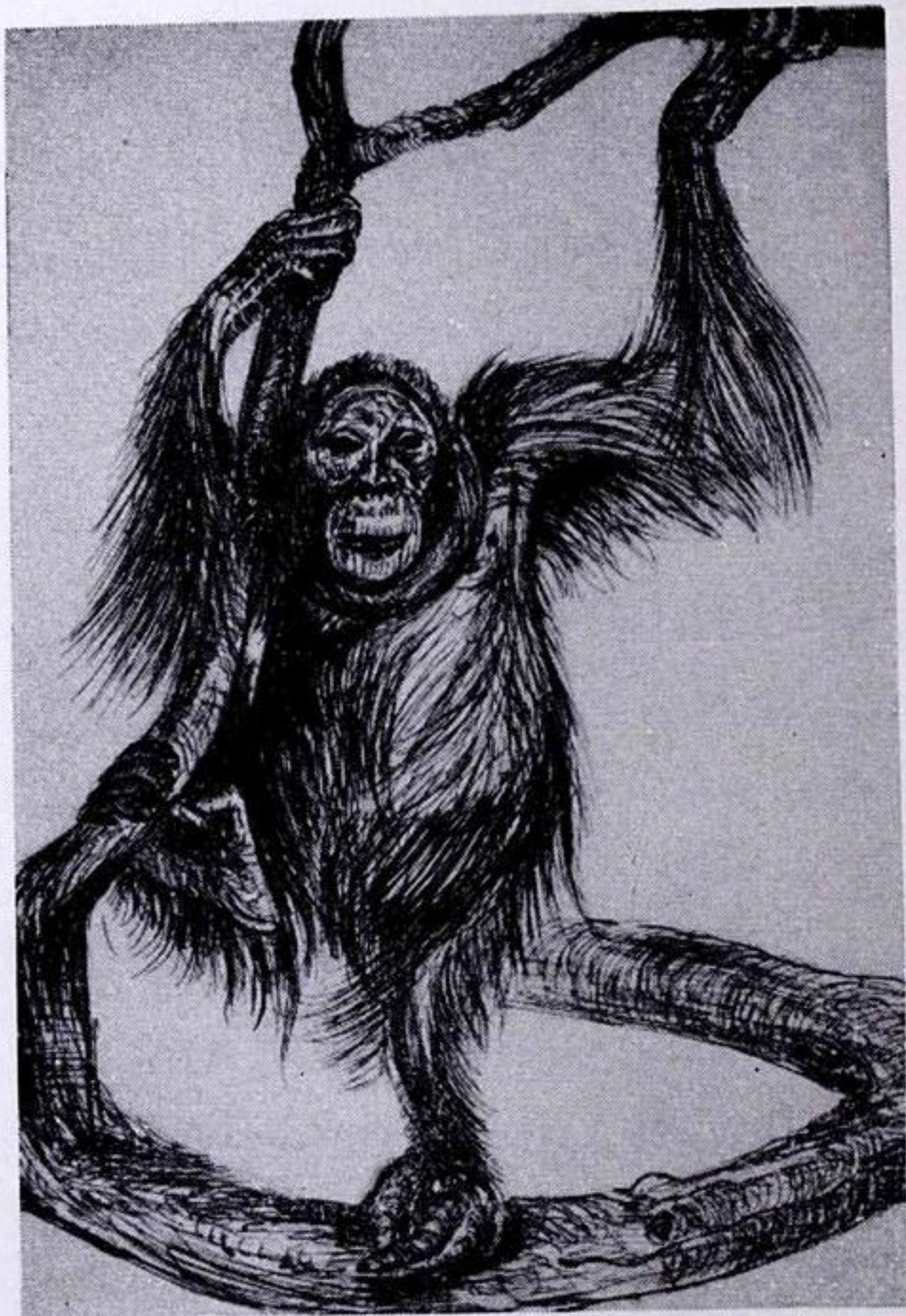
شکل - ۲۳ اورنگ اوٹن (انسان نما بندر)

پہاڑوں کی کھوہ اور چٹانوں کے شگافوں اور درزوں میں رہتا ہے۔
چیتیا اور تیندوا بھی ایسے ہی مقاموں میں رہتے ہیں۔ ریچھ بھی
کوئی گھر نہیں بناتا وہ جھاڑیوں اور غاروں میں رہنا پسند کرتا ہے۔

امریکہ اور افریقہ میں پائے جانے والے بندر بھی عام طور پر
درختوں ہی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن وہ کوئی گھونسلا یا گھر
نہیں بناتے۔ البتہ بعض چھوٹے بندر درخت کے کھوکھلے حصوں میں
چھپ جاتے ہیں۔

افریقہ کے بعض میمون (انسان نما بندر) مثلاً چمپانزی
(شکل۔ ۲۲) جاوا کا اورنگ روٹن (شکل۔ ۲۳) زیادہ تر
درختوں پر گھونسلا بناکر رہتے ہیں لیکن یہ زمین پر بھی آسانی سے
اپنا وقت گذارتے ہیں۔ گوریلا جو سب سے بڑا میمون ہے اور جو
قوی ہیکل اور بھاری بھرکم جسامت رکھتا ہے عام طور پر افریقہ
کے گھنے جنگلوں میں زمین ہی پر وقت گذارتا ہے۔ البتہ اسکی مادہ
جسکی جسامت کم ہوتی ہے درختوں پر بھی رہتی ہے اکثر گوریلے
سونے کیلئے زمین پر گھاس اور درختوں کے پتے جمع کرکے ایک
بستر سا بنالیتے ہیں اور اسی پر رات بسر کرتے ہیں اور پھر دوسرے
روز ایک نیا بستر تیار کرلیتے ہیں۔

پانچواں باب

حیوانات کے جذبات

ہر شخص نے اپنی روز مرہ زندگی میں اس بات کو محسوس کیا ہوگا کہ پالتو حیوانات اپنے طرح طرح کے جذبات کو مختلف طریقوں اور حرکتوں سے ظاہر کرتے ہیں ان میں خوشی، خوف، محبت غصہ، نفرت اور فخر کے جذبات شامل ہیں۔ ان کو ظاہر کرنے کیلئے حیوانات، آواز، چہرے اور دانت، ٹانگوں اور ہاتھوں سے کام لیتے ہیں۔ آئیے ہم خوشی کے جذبہ پر غور کریں۔ خوشی کا اظہار جنسی تعلقات، ماں باپ کی محبت، فرائض کی وفا شعارانہ ادائیگی، ذاتی ایثار اور قربانی، مصائب پر غالب آنے اور جنگ میں فرار ہونے کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ عملی طور پر ہر وہ کام جس کا تعلق غذا حاصل کرنے، یا نسل کی افزایش کرنے سے ہو نہایت خوشی سے انجام دیا جاتا ہے۔ بعض حیوانات دوسرے حیوانوں سے تیز رفتاری کا مقابلہ کرنے میں مسرت محسوس کرتے ہین اور ان سے لڑنے میں بھی بہت خوش ہوتے ہیں خواہ یہ لڑائی خون ریزی پر ہی کیوں نہ ختم ہو۔

بلیاں لڑنے کی بہت شائق ہوتی ہیں اور ان لڑائیوں میں اکثر اوقات وہ بہت بری طرح زخمی ہوجاتی ہیں۔ ایک صاحب کے پاس

ایگ بلا ، پلا ہوا تھا ۔ ایک روز وہ باغ میں کسی دوسرے بلے سے خوب لڑا ، جب گھر واپس آیا تو اس کا تمام چہرہ بہت زخمی تھا اور اس کی ناک پر خون کے قطرے جمے ہوئے تھے ۔ اس حالت میں آکر وہ اپنے مالک کی گود میں بیٹھ گیا اور پیار سے غرانے لگا ۔ اس کے انداز سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے کیونکہ اس نے لڑائی میں فتح پائی تھی ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اکثر حیوانات ، قید کی حالت میں اگر خوش نہ رہیں تو وہ اپنی نسل کی افزائش نہیں کرتے ۔ اس لئے کہ کورٹ شپ (معاشقہ) نر اور مادہ میں صرف خوشی کی حالت میں وقوع میں آتی ہے ۔ اگر حیوانیاتی باغوں (یا چڑیا گھروں) میں رکھے ہوئے ریکارڈز (یاد داشتوں) کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض حیوانوں کو قید کی حالت میں رہتے ہوئے برسوں گذر چکے ہیں لیکن انہوں نے اپنے نسل کی افزائش نہیں کی ۔ کیونکہ جب اکیلے رہنے والے نر یا مادہ حیوانوں کو جوڑے کے ساتھ رکھا گیا تو انہوں نے اس اتحاد کو مصنوعی (یا بناوٹی) اور غیر فطری سمجھا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے اتحاد میں نر حریفوں کے درمیان میں ایک مادہ کو حاصل کرنے کیلئے جو لڑائیاں ہونی چاہئیں وہ نہیں ہوتیں اور نہ ان میں مادہ کو خوش کرنے کیلئے گانے اور رقص کئے جاتے ہیں ۔

جب جنگلی جانوروں کو اپنا ساتھی پسند کرنے کی آزادی

حاصل ہوتی ھے تو نر اس انتخاب میں بڑی خوشی محسوس کرتے ھیں اور وہ اپنے مقصد میں اسی وقت کامیابی حاصل کرتے ھیں جبکہ اپنے طرز عمل سے مادہ کو بھی خوش کرسکیں۔

کئی قسم کے پرندوں میں نر مادہ کو اپنے دلکش راگ سنا کر مسحور کرلیتے ھیں کیونکہ گانا، دل کی انتہائی خوشی کے اظہار کا ایک بہترین طریقہ ھے جو دوسرے جذبات کی مانند خود بخود زبان پر آجاتا ھے۔ چنانچہ یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ھے کہ جب کوئی شخص بہت زیادہ خوش ہوتا ھے تو وہ گانے لگتا ھے وہ اس کا ہرگز خیال نہیں کرتا کہ وہ کیا گارہا ھے اور آیا وہ جو کچھ گارہا ھے وہ وقت کے لحاظ سے موزوں ھے یا نہیں۔

اسی طرح رقص یا ناچ خوشی اور مسرت ظاہر کرنے کا ایک دوسرا طریقہ ھے۔ عموماً بچے اور بعض وقت بڑے آدمی بھی جب بہت زیادہ خوش ہوتے ھیں تو ناچنے لگتے ھیں ان کو اس بات کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا کہ دوسرے لوگ انکی اس حالت پر ہنسینگے وہ اپنے جذبات سے مجبور ہوکر ایسی حرکتیں کرنے لگتے ھیں۔ حیوانوں میں اس بات کا احساس بالکل نہیں ہوتا کہ لوگ انکی حرکتوں پر ہنسینگے۔ اور اس لئے ان کی زندگی کے مختلف حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی خوشی کے جذبات کو ظاہر کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے۔

ایک پسندیدہ ساتھی کی مستقل موجودگی خوشی کا دوسرا

سبب ہوتی ہے۔ لندن کے چڑیا گھر کے ایک شیر کے جوڑے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کھانے کے وقت ایک دوسرے سے بہت لڑتے تھے اس لئے ان کو کھانے کے وقت الگ کردیا جاتا تھا، لیکن اگر انکو ایک دوسرے سے بہت دیر تک الگ رکھا جاتا تو وہ بہت بیچین ہونے لگتے تھے۔ اسی چڑیا گھر کے ایک دوسرے شیر کے جوڑے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو اگر دیر کیلئے بھی الگ کردیا جاتا تو وہ دونوں بہت پریشان ہونے لگتے تھے۔

حیوانات جب کسی مشکل کام کو انجام دیتے ہیں تو انکو اپنی اس کامیابی پر بڑا فخر محسوس ہوتا ہے جس میں بہت زیادہ خوشی کا جذبہ شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک خاص بلی جب کسی الماری یا دوسرے کسی برتن کے اندر سے گوشت کا ٹکڑا چرا کر کھالیتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتی ہے کیونکہ بلیاں چوری کو کوئی جرم نہیں سمجھتیں۔

دوسرا جذبہ خوف یا دہشت کا ہے جس سے حیوانات بھی اتنا ہی متاثر ہوتے ہیں جتنا انسان۔ کیونکہ خوف قدرت کا ایک ذریعہ ہے جس سے وہ اپنے بچوں کو خطرے سے بچاتی ہے۔ بعض حیوانوں میں خوف اور ڈر کی وجہ سے جو کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ان کا معلوم کرنا تعجب سے خالی نہیں۔

پانی کے اندر رہنے والے سرد خون[1] کے حیوانات مثلاً

---

[1] سرد خون کے حیوانات وہ ہیں جن کے جسم کی تپش یا حرارت (ٹمپریچر) ماحول (اردگرد کے حالات) کی حرارت کیسا تھ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

مچھلی، مگر، کیکڑے، جھینگے (شکل - ٢٤) وغیرہ کے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کے جذبات سے متاثر نہیں ہوتے، بجز ایک کے، اور وہ ڈر اور خوف ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جب طوفان آتا ہے اور بادل گرجتے ہیں تو جھینگے اس قدر خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ اکثر بہت بوڑھے جھینگوں کے چنگال (یعنی پکڑنے والی ٹانگیں) گر جاتے ہیں۔ (شکل - ٢٤) کتاب «لینڈ اینڈ واٹر» (یعنی خشکی اور پانی) میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شدید گرج کی آواز سے ایک مقام پر چالیس جھینگوں کے نہ صرف چنگال گر پڑے، بلکہ بعض کی تو ٹانگیں بھی جھڑ گئیں۔ اسی کتاب میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بہت سے کیکڑے جو ایک اندھیری جگہ میں پانی کے اندر تین چار روز تک رکھے گئے تھے، جب پکانے جانیکے لئے باہر نکالے گئے تو ان میں سے اکثر کے چنگال گر گئے تھے۔

ان واقعات سے ہم کو دو مثالیں ان فوری طبعی اثرات کی ملتی ہیں جو دو مختلف مگر تعجب خیز طریقوں سے ان حیوانوں کے احساسات پر پڑتی ہیں، ایک صورت میں سننے کا احساس، اور دوسری میں روشنی کا۔

جذبات خوف کے ایک دوسرے پہلو کا اظہار ایک کیڑے کی مثال سے ہوتا ہے جسکو کرکرا کہتے ہیں۔ یہ کیڑا اس اصول کا بہت سختی سے پابند ہوتا ہے کہ ہر حالت میں «ذاتی حفاظت» سب سے مقدم ہے۔ خطرے سے آگاہی کے لئے یہ پوری طرح اپنے سننے کی

شکل ۔ ۲٤ جھینگا
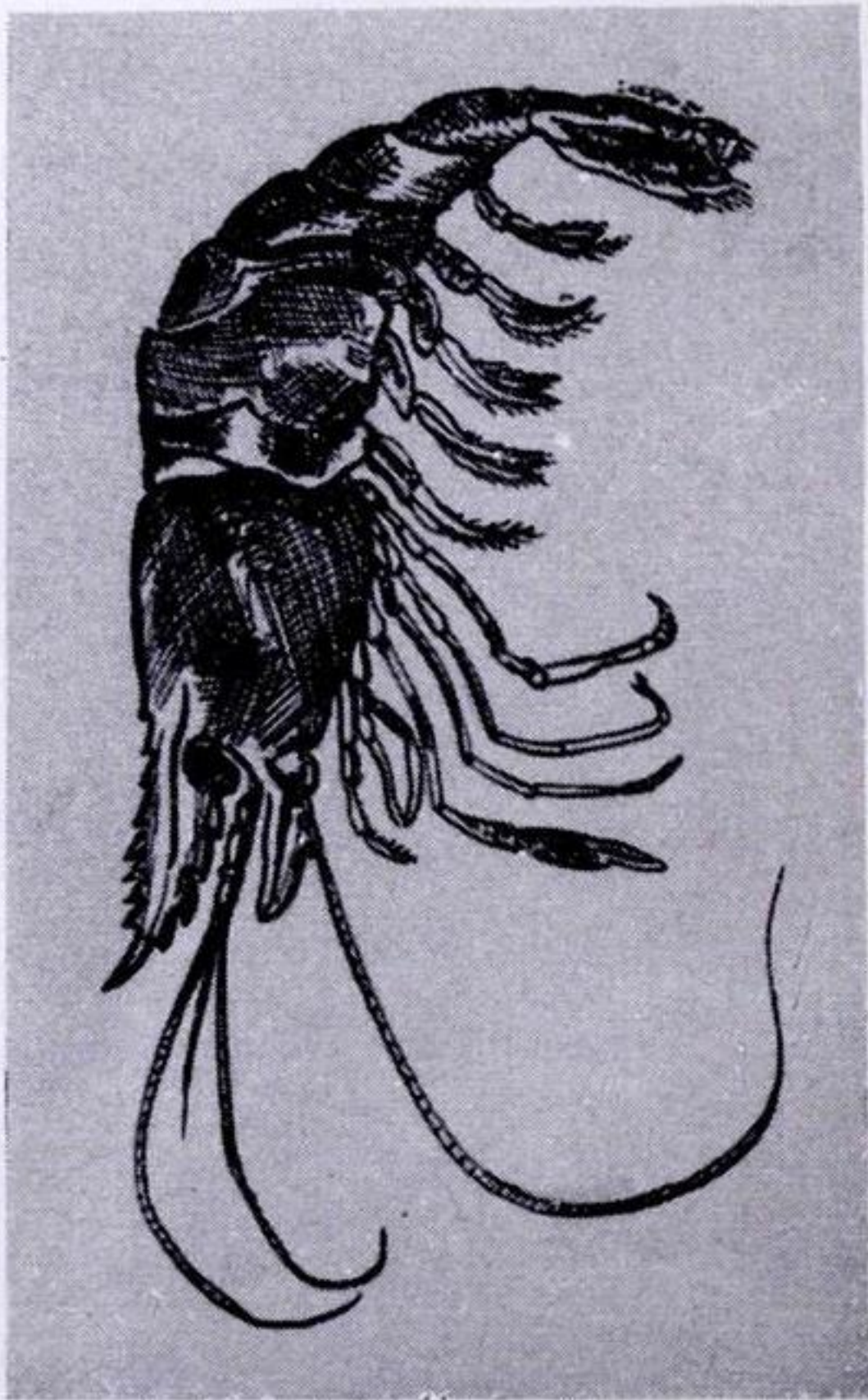
قوت پر بھروسہ کرتا ھے۔ اور دھیمی سی آواز بھی سنتے ہی چھپ جاتا ھے، خواہ خطرے کے آثار ظاہر ہوں یا نہوں۔ اکثر لوگوں کو محض اسکی آواز سے معلوم ہو جاتا ھے کہ ان کے گھروں میں کر کرے رہتے ھیں۔

بہت سے حیوانوں میں پیش بینی کی خاصیت موجود ہوتی ھے جس سے وہ آنیوالے واقعات سے واقف ہوکر خوفزدہ ہوجاتے ھیں۔ بعض پرندے اس بات سے قبل از وقت واقف ہو جاتے ھیں کہ کسی ایک مقام پر کوئی وبا پھیلنے والی ھے اور اس لئے وہ وہاں سے کسی دوسرے مقام پر چلے جاتے ھیں اور جب تک وہ مقام اس وبا سے پاک نہ ہوجائے، واپس نہیں آتے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ قابل ذکر یہ ھے کہ ایک مرتبہ «گیلیشیا» نامی شہر میں ھیضہ پھوٹ پڑا تو اسکے قریب کے ایک قصبہ پریز میسل میں رہنے والی تمام گوریاں (یعنی گھروں میں رہنے والی چھوٹی چڑیاں) وہاں سے کسی دوسرے مقام پر چلی گئیں اور جب تک یہ وبا پوری طرح رفع نہیں ہوگئی ایک گوریا بھی اس قصبہ کو واپس نہیں آئی۔ میونک اور نیور مبرگ میں بھی اس قسم کے واقعات یادداشت کے طور پر تحریر کئے گئے تھے ان سے بھی پتہ چلتا ھے کہ جب سینٹ پیٹرز برگ اور ریگا میں، سنہ ۱۸۴۸ء میں، مغربی پرشیا میں سنہ ۱۸۴۹ء میں، اور ھانور میں، سنہ ۱۸۵۰ء میں میں ھیضہ پھیلا تو تمام گوریاں ان مقامات سے نقل مکان کر کے

چلی گئیں اور اس وبا کے ختم ہونے تک واپس نہیں آئیں ۔

پانی کی کمی اور قلت سے مرنے کا خوف اور ڈر ریگستانی مقامات میں عجیب عجیب انکشافات کا باعث ہوا ہے یعنی گھوڑوں مویشیوں، اونٹ، مینڈک اور بندروں نے ریگستانوں میں ایسے مقامات تلاش کرلئے جہاں وہ اپنی پیاس بجھا سکتے تھے اور جنکی تلاش میں بعض اوقات ان کو سیکڑوں میل چلنا پڑتا تھا ۔

خوف کا جذبہ اکثر اوقات اصلی یا خیالی خطے کا محض خیال کرنے سے بھی پیدا ہو جاتا ہے اور مختلف جبلتوں (پیدائشی عادتوں) میں تصادم کا باعث ہوتا ہے ۔ بچے کی محبت یا «مادرانہ جبلت» ایک ماں میں اپنی ذاتی حفاظت کے جذبہ پر غالب آجائیگی اور وہ اپنی جان کی پروا نہ کرکے بچے کو بچانے کی کوشش کریگی جو کہ مامتا کی ایک خصوصیت ہے ۔

ھرن ایک بہت ہی ڈرپوک اور بزدل جانور ہے ۔ یہ کتوں کو اپنا جانی دشمن سمجھتا ہے ۔ اس حیوان کے ڈر اور خوف کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی مقام پر کوئی گلہ چر رہا ہو اور کوئی کتا ان کو نظر آجائے تو پورا گلہ وہاں سے بھاگ جاتا ہے، لیکن خاص موسم میں، جبکہ انکی نسل کی افزائش کا زمانہ ہوتا ہے اور ان کے بچے پیدا ہو چکتے ہیں، تو ھرنی کا طور بالکل بدل جاتا ہے اور وہ کتوں کی جانی دشمن بن جاتی ہے چنانچہ ایسی حالت میں جب

ایک ماں کسی کتے کو دیکھتی ہے تو اسکا تعاقب کرکے اسے اگلی ٹانگوں سے مار کر بھگا دیتی ہے ہرن بھی اس امر میں ہرنی کا ساتھ دیتا ہے اور کتوں کا مقابلہ کرکے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہرن اور ہرنی میں بچوں کی محبت کا جو جذبہ موجود ہوتا ہے وہ انکو موقع ملنے پر انتقام لینے پر آمادہ کرتا ہے۔

جنگلی ہرنی میں مادرانہ محبت کا جذبہ بہت اونچے درجہ کا ہوتا ہے کنیڈا میں پائے جانے والے ایک بارہ سنگھے کی مادہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں مادرانہ محبت کا جذبہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور جب کبھی موقع آجاتا ہے تو وہ بچے کو بچانے کیلئے اپنی جان کی پروا نہ کرکے بھیڑیے اور شیر سے بھی لڑجاتی ہے، بشرطیکہ نر، بارہ سنگھا اسکی حفاظت کے لئے اس وقت موجود نہ ہو۔ چنانچہ ہر شکاری اس بات سے واقف ہوگا کہ شیر کا مقابلہ کرنے سے بچے والی شیرنی کا مقابلہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

بعض حالتوں میں بچہ پیدا ہونے سے پہلے بھی ماں کی محبت کا جذبہ ظاہر ہوجاتا ہے اسکا اندازہ ایک واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ روس کی ایک عورت نے جو شمالی سائبیریا کے شہر بیریزوف میں رہتی تھی، ایک ڈائری فارم قائم کیا تھا۔ اس زمانے میں سائبیریا میں یہ رواج تھا کہ گائے کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں سے الگ کرلیا جاتا اور ہاتھ سے دودھ پلا کر پالا جاتا تھا اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ گائے ہر سال بچہ دیتی تھی۔

لیکن سائبیریا کی گائیں غالباً یہ بات فطری طور پر جانتی تھیں کہ ان کو پیدائش کے بعد ہی بچے سے محروم کردیا جائیگا لہذا جب پیدائش کا وقت قریب آتا تھا تو وہ طرح طرح کی عجیب و غریب حرکتیں کرتی تھیں تاکہ آقا کی نگرانی اور نظروں سے بچ سکیں۔ کیونکہ جب پیدائش کا زمانہ قریب آتا تو گائے کو تھان میں باندھ دیا جاتا، لیکن چند روز کی اس قید کے بعد وہ کھانا پینا چھوڑ دیتی تھی۔ مالک اسکی اس حالت سے پریشان ہوکر اس کو کھلا چھوڑ دیتے تھے تاکہ اسکی حالت سنبھل جائے۔ آزاد ہونے کے بعد پہلے تو وہ سر جھکائے ہوئے آہستہ آہستہ ادھر اُدھر چلتی پھرتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ پانی کی تلاش میں ھے لیکن اسکی یہ حالت تھوڑے عرصہ تک رہتی اور جب اسے موقع مل جاتا تو وہ نہایت تیز رفتاری سے جنگل کی طرف بھاگ جاتی اور کسی گھنی جھاڑی میں جا کر چھپ جاتی اور وہاں بچہ دیدیتی تھی اور جب تک بچہ بڑا ہوکر اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو جاتا وہ اپنے آقا کے گھر واپس نہ آتی تھی۔

اکثر صورتوں میں مادرانہ اور پدرانہ محبت کا جذبہ قدرتی خطرے اور خوف پر بھی غالب آجاتا اور ان کے اثرات کو زائل کر دیتا ھے۔

انسان کے مانند حیوانات بھی اکثر اوقات اپنی غلطیوں اور بے سمجھے بوجھے کام کرنے پر نادم اور غمگین ہوتے ھیں اور اچھے کاموں اور کامیابیوں سے بہت زیادہ خوش اور مسرور۔

اس سلسلہ میں دو باتیں ایسی ھیں جو ایک حیوان کے عادات اور اطوار کا تعین کرتی ھیں ایک تو سزا کا خوف دوسرے صلہ کی امید ۔ کتوں میں اپنے فرائض کی ادائی کا جو غیر معمولی احساس اور جذبہ پایا جاتا ھے اسکا سبب « سزا کا خوف » بتایا جاتا ھے ، جو انسان اسے دیتا ھے ۔ بعض حالتوں میں یہ بات صحیح ہو سکتی ھے لیکن یہی بات انسان پر بھی صادق آتی ھے اور کون اس حقیقت سے انکار کر سکتا ھے کہ انسان ، اکثر کام محض ڈر اور خوف کی وجھ سے کرتا ھے ۔

بعض وقت گھوڑے یا کتے پہلے پہل جب کوئی بالکل بے ضرر جاندار ، یا بے جان چیز دیکھتے ھیں ، خصوصاً جبکہ اس چیز میں حرکت بھی ہو رہی ہو تو ، ان کے دماغ میں خوف و دہشت کا احساس پیدا ہو جاتا ھے ۔ بیرحمی اور بیدردی سے حیوانوں میں خوف کا جذبہ بہت زیادہ بڑھ جاتا ھے ، گھوڑے مالکوں کے بیدردانہ سلوک کی وجھ سے اکثر اوقات دوسرں کے لئے خطرناک بن جاتے ھیں اور ہر آدمی کو جو ان کے پاس جاتا ھے لات مارتے اور دانت کاٹتے ھیں ۔ یہ عادت ان میں محض سزا کے خوف سے پیدا ہو جاتی ھے ، لیکن اگر ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے تو وہ پھر سیدھے ہو جاتے ھیں ۔

خوف اور ڈر حیوانوں کو بالکل بے حس و حرکت کر دیتا ھے اور انکو اپنی جسمانی اور دماغی حالت پر قابو نہیں رہتا ۔ یہ

سنکر آپکو تعجب ہوگا کہ تیتر اور خرگوش بھی بعض وقت گھاس کاٹنے کی مشین ، درانتی یا ہنسیا سے کٹ کر ٹکڑے ہوگئے محض اس لئے کہ خوف اور دہشت سے وہ اس قدر متاثر ہوگئے کہ حرکت تک نہ کرسکے - ایک ہوشیار دیہاتی کتا جوکہ اپنے گاؤں کے ہر راستہ سے واقف ہوتا ھے اور جہاں کہیں بھی چھوڑ دیا جائے گھر واپس پہنچ جاتا ھے ، اگر کسی بڑے شہر کی ایک پر ہجوم اور بڑی سڑک پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی تمام دماغی صلاحیتوں کو کھو بیٹھتا ھے اور اسکی یہ حالت محض اس وجھ سے ہوتی ھے کہ وہ شہر کی سڑک کے عجیب و غریب حالات سے بہت زیادہ خوفزدہ اور متاثر ہو جاتا ھے -

دھماکہ یا زور دار آواز سے متاثر ہونیکی ایک عملی مثال یہ ھے کہ اگر کسی تالاب یا ندی میں ، جہاں مچھلیاں موجود ہوں ، نہایت چھوٹا سا ڈائنامائنٹ یا پٹاخہ ڈال دیا جائے تو ڈائنامائنٹ کے پھٹنے کی آواز سے مچھلیاں بیہوش و بیدم ہوکر سطح پر آجاتی ھیں اور بے حس و حرکت پڑی رہتی ھیں -

جب ہم حیوانوں کے ظاھری خوف و دہشت کے اظہار کا مطالعہ کرنے لگتے ھیں تو اکثر غلطی کرتے ھیں کیونکہ بعض حیوانات ایک ہی قسم کی حرکتوں سے مختلف قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ھیں مثلاً ایک انسان نما بندر اور نگ اوٹن کو (شکل ۲۳) لیجئے یہ خوشی اور غصہ کے جذبات ظاہر کرنے کے دوران میں اپنے پیروں کو

زمین پر پٹکتا ھے ، جب تک اس میمون کی حرکات کا بہت غائر
نگاہوں سے مطالعہ نہ کیا جائے اس کے جذبات کا صحیح اندازہ
نہیں کیا جا سکتا ، اسی طرح کاکاتوا جب اپنی چوٹی کے پروں کو
اوپر اٹھاتا ھے تو اس سے تعجب ، پریشانی اور تجسس کے جذبات
ظاہر ہوتے ھیں - اسی طرح کوے کی پکار اور میمون کے چہرے
کے پیچ و خم ابتک راز بنے ہوئے ھیں -

مسرت اور خوف کے جذبات پر روشنی ڈالنے کے بعد اب
جذبۂ محبت پر غور کیجئے - اس نقطۂ نظر سے انسان اور حیوانات
کے جذبات میں بہت مشابہت اور یکسانیت پائی جاتی ھے خاص
طور پر ان ملکوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں
کورٹ شپ کا طریقہ رائج ھے - کورٹ شپ کے زمانے میں انسانی
کامیابی کے درجے ، حیوانی کورٹ شپ کے مدارج سے کچھ نہ کچھ
مناسبت ضرور رکھتے ھیں - خصوصاً پرندوں میں مادہ اپنے
امیدواروں یا شائقین کی قابلیتوں کا مقابلہ اور امتحان لیتی ھے گو وہ
ہمیشہ نتیجہ سے اتفاق نہیں کرتی - ایسی حالت میں جہاں کورٹ شپ
کے لئے لڑنے کی ضرورت پیدا ہو جاتی ھے تو یہ بات مادہ کی مرضی
پر منحصر ہوتی ھے کہ وہ ان کو اپنے لئے لڑتا ہوا دیکھے - لیکن
ہمیشہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ جیتنے والے ہی کے ساتھ ہوجائے - بعض
وقت یہ بھی ہوتا ھے کہ مادہ ایک غیر ممتاز اور لڑائی کے فن سے
نابلد امیدوار کو ترجیح دیتی ھے - کیونکہ ڈاکٹر کوال وسکی کا

بیان ہے کہ اس نے اس بات کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے کہ بعض اوقات مادہ ایسے نوجوان نروں کے ساتھ بھاگ جاتی ہے جو کہ میدان مسابقت میں داخل نہیں ہوتے - اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مادہ کسی قدر آزاد ہوتی ہے - اور وہ نر کے بس میں نہیں رہنا چاہتی - کیونکہ ہمیشہ لڑائی میں جیتنے والا نر بہترین شوہر ثابت نہیں ہوتا - بعض وقت مادہ انتخاب کرنے میں بہت دیر کرتی ہے اور آخری لمحہ میں بھی اپنی رائے بدل سکتی ہے -

پرندوں میں بعض رسمیں منعقد ہوتی ہیں جن میں ملاقات کا وقت اور مقام طے پاتا ہے، ان کے ایک دوسرے کی تعظیم اور ایک دوسرے سے اظہار محبت کے خاص طریقے ہوتے ہیں اور سچی محبت کا زمانہ ہمیشہ یکساں اور مسرت بخش نہیں ہوتا - بعض اوقات ایک مادہ دو یا، تین نروں سے راہ و رسم پیدا کر لیتی ہے اور ایک غیر معین مدت تک اسکا سلسلہ جاری رہتا ہے -

دو مختلف گروہ کے پرندوں میں رشتۂ محبت قائم ہونیکے واقعات بہت شاذ پائے گئے ہیں - ایک ماہر، مسٹر میک گلیورے کا بیان ہے کہ اس نے اس واقعہ کا مکمل طور پر مشاہدہ کیا ہے کہ ایک نر شیاما اور ایک مادہ لوا میں رشتہ محبت قائم ہو گیا تھا اور دونوں کے بچے بھی پیدا ہوئے اسکے علاوہ اور بھی بعض واقعات چینی ترکستانی مرغ، فیز نٹ اور پاموز کبوتر، گراؤس کے رشتۂ اتحاد میں منسلک ہونے کے بیان کئے جاتے ہیں- ماہرین حیوانیات

(زُوا لو جسٹس) کا خیال ہے کہ اس قسم کے اتحاد کی مثالیں اس حالت میں پائی جاتی ہیں جبکہ بعض پرندے بالکل تنہائی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں اپنے گروہ کا کوئی ساتھی نہیں ملتا۔ لیکن یہ قیاس کچھ زیادہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جبکہ ان پرندوں کے اپنے گروہ کے افراد موجود تھے جنہوں نے دوسری قسم کے پرندوں سے رشتہ محبت جوڑا تھا۔ قازکی مختلف قسموں میں اس قسم کے مختلف انواع کے اتحاد کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ نہ صرف حیوان بلکہ انسانوں میں بھی ایسی بیسوں مثالیں موجود ہیں، جن میں نہایت مختلف رنگ اور نسل اور ملک کے افراد میں باہمی اتحاد قائم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے اتحاد کے متعلق ایک بات تو یقینی ہے وہ یہ کہ نر اور مادہ کے درمیان جو کشش پائی جاتی ہے وہ حیوانوں میں بھی اتنی ہی پر اسرار اور ناقابل فہم ہوتی ہے جتنی خود انسانوں میں

ایک ماں کے فرائض کا احساس نہایت نازک مادرانہ جذبات کے ہر پہلو مثلاً مستقل مزاجی، فرط محبت، نہ ختم ہونیوالی توجہ، پیار اور ذاتی قربانیوں کو بہت زیادہ نشو و نما دیتا ہے۔ دوسرے کے بچوں سے مادرانہ محبت کا اظہار کرنا عموماً حیوانوں میں بھی دیکھا جاتا ہے اور اس قسم کی متعدد مثالوں کا پتہ مختلف یاد داشتوں (ریکارڈز) سے چلتا ہے۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان میں اطاعت اور پرستش کا جذبہ اکثر اوقات مذہب کے ڈر اور خوف سے زیادہ نمایاں

ہو جاتا ھے یہی بات ان حیوانوں پر بھی صادق آتی ھے جن کے ساتھ تشدد اور بیرحمی برتی جاتی ھے لیکن حیوانوں کی وہ اطاعت اور فرمانبرداری، جو وہ انسان کی کرتے ھیں، زیادہ ترانکے جذبات محبت سے لبریز ہوتی ھے -

شیکسپیر کہتا ھے « وہ محبت دراصل سچی محبت نہیں ھے جو انقلابات زمانہ کے ساتھ بدل جاتی یا کسی شخص کے ترک کردینے سے ترک کی جاسکتی ھے -»

لیکن وہ محبت جو صلہ ملنے کا انتظار کرے، جو کسی شئے میں تغیر پیدا ہونے سے متغیر ہو جائے، جس میں حقارت اور نفرت ہو، جو دوسروں کی کمزوریوں کو معاف نہ کرتی ہو اور خود غرضی پر مبنی ہو، ایک ایسی عجیب خاصیت ھے جو « انسانی قوموں » میں عام طور پر پائی جاتی ھے -

انسان کے لئے ایک کتے کی محبت زیادہ بلند پایہ ہوتی ھے - وہ اس لئے نہیں بدلتی کہ اسکے مالک کے پیار اور سلوک میں تبدیلی ہوگئی ھے - وہ ایک ایسی محبت ہوتی ھے جو کہ آقا کی تمام غلطیوں کو بھول جاتی اور بلا چون و چرا اسکی تمام سختیوں کو برداشت کرتی ھے، محبت، جو مستقل طور پر جاری رہتی اور ہر وقت ذاتی ایثار اور قربانی کے لئے تیار رہتی ھے، ایسی صورت میں جبکہ اسکو اپنے محبوب کی خدمت کرنیکا موقع ملتا رہے - یہ ایک حقیقت ھے کہ

کتا اپنے آقا سے اسکی سزا اور سخت سلوک کے باوجود اس سے زیادہ سے زیادہ محبت کرنے لگتا ہے۔

کتے کی ان خاصیتوں کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ تمام حیوانوں کے مقابلہ میں اسکی محبت کا جذبہ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اپنے آپ کو بھول جانا، کتے کے جذبۂ محبت کی ایک خصوصیت ہے۔

کتے کے اس جذبہ کی اہمیت پر نظر ڈالنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے جذبہ نفرت و حقارت پر بھی نظر ڈالی جائے۔ اس بات کی وضاحت کرنا مشکل امر ہے کہ کتے بعض لوگوں سے کیوں بہت زیادہ غصہ اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر صورت یہ ہو کہ ایک کتے کے ساتھ نہایت بیرحمانہ سلوک کیا گیا ہو، یا یہ کہ کتے کی پیدائشی اور فطری عادتوں کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہو تو اس وقت اسکا اظہار نفرت مناسب ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ ایک عام بات ہے کہ جب کوئی اجنبی آدمی اچھے لباس اور شریفانہ صورت میں اسکے پاس جاتا ہے، تو بھی وہ بھونک بھونک کر اپنے غصہ اور نفرت کا اظہار کرتا ہے ایسی حالت میں اسکے غصہ کا سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ عادت کسی خاص ملک ہی کے کتے میں نہیں پائی جاتی بلکہ فرانس، انگلستان اور ہندوستان وغیرہ کے کتے، سب اسکا اظہار کرتے ہیں۔ اسکی صرف ایک وجہ ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ کتے میں قوت شامہ (یعنی سونگھنے کی قوت) بہت زیادہ نشو و نما پائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور چونکہ موجودہ کتے، دراصل،

نہایت قدیم جنگلی کتوں کی نسل سے ھیں جن کو نگہبانی کی تربیت دیگئی تھی۔ لہذا اس پرانی خاصیت کے لحاظ سے وہ ہر اس آدمی کو دشمن یا ڈاکو سمجھ کر بھوکنے لگتا ھے جسکے جسم کی بو کو وہ بخوبی سمجھ نہیں سکتا کیونکہ گاؤں کے آس پاس کے معمولی کسان کے جسم کی بو اس گاؤں کے دوسرے افراد کے جسم کی بو سے ملتی جلتی ھے، لیکن قصبہ یا شہر کے آدمی کے جسم کی بو گاؤں کے آدمی کے جسم کی بو سے مختلف ہوتی ھے جسکی وجہ سے کتا غصہ ہو جاتا ھے اور نفرت کا اظہار کرنے لگتا ھے چنانچہ یہ اسکا فرض ھے کہ وہ اپنے آقا اور دوسرے پڑوسیوں کو اجنبی کی آمد سے آگاہ کردے۔

حیوانوں میں ایک دوسرے کے لئے فطری طور پر نفرت و حقارت کے جذبات موجود ہوتے ھیں، لیکن یہ جذبہ اس وقت نظر انداز کردیا جاتا ھے جب کوئی خطرہ اتحاد عمل (یعنی آپس میں ملکر ایک ہو جانے) کی ضرورت پیدا کر دیتا ھے۔

کوے اپنی نفرت اور حقارت کے جذبہ کو ایک مشترکہ مفاد حاصل کرنے کی صورت میں بھول جاتے ھیں اور اپنے ناپسندیدہ دشمنوں کے ساتھ مال غنیمت میں حصہ لگانے کے لئے تیار ہو جاتے ھیں۔

تجربوں سے یہ بات ثابت ہوتی ھے کہ بعض حیوانوں میں، قید کی حالت میں، خاص قسم کی آوازوں سے۔ ان کے بعض قسم کے

جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ سانپ گو انتہائی غصہ کی حالت میں گانے یا بجانے کی آواز سناکر خاموش کیا جاسکتا ہے۔ اسکے برعکس گانے کا اثر بوم اور چغد پر بالکل الٹا ہوتا ہے، یعنی وہ گانے اور باجے کی آواز سے سخت نفرت کرتے ہیں بعض دوسرے حیوانات بھی ان آوازوں سے متاثر نہیں ہوتے۔

اب حیوانوں کے غصہ کے جذبات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام حیوانوں میں غصہ اور بعض دوسرے جذبات کو ظاہر کرنیکے طریقے اور حرکتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ جہاں تک آواز کے ذریعہ ان جذبات کے اظہار کا تعلق ہے، یہ مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً کتا غصہ کے وقت بھونکتا، دانت کاٹتا، شور کرتا، سونگھتا، چھینکتا اور غراتا ہے۔ گھوڑا ھنھناتا، لات مارتا، ناک سے زور زور کی آوازیں نکالتا، اور اپنی دم کو حرکت دیتا ہے۔ بلی غراتی، پنجے مارتی، منھ سے کف نکالتی اور میاؤں میاؤں کرتی ہے۔ چوپائے اور مویشی بھی طرح طرح کی آوازیں نکالتے اور سینگ مارتے ہیں۔ ہاتھی چنگھاڑتا ہے اور بھیڑ اور بکریاں ممیاتی ہیں۔ گدھا نہایت ناگوار آواز میں چیختا ہے۔ مرغ ککڑوں کوں کرتا اور مرغیان کڑکڑاتی ہیں۔ ان آوازوں کے علاوہ ہر گروہ کے حیوانوں کی خاص زبانیں ہوتی ہیں جن میں وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں غصہ کا اظہار کرنے کیلئے بعض حرکتیں ایسی ہوتی ہیں جو مختلف گروہ کے حیوانوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً دانتوں سے کاٹنا، چونچ سے

پکڑنا یا مارنا ، گھوڑے ، کتے ، گدھے ، بھیڑئیے اور متعدد پرندوں میں یکساں ہوتا ہے - اسی طرح دم ہلانیکی خاصیت گھوڑے ، گدھے اور شیر میں مشترک ہوتی ہے -

بعض اوقات ایک ہی قسم کی حرکت سے مختلف اور متعدد جذبات کو ظاہر کرنیکا کام لیا جاتا ہے مثلاً مرغی کا کڑ کڑانا ، غذا پانے ، انڈا دینے اور اپنے بچوں کو چاروں طرف دیکھ کر فخر کرنیکے جذبات کو ظاہر کرتا ہے - اونٹ ایک ہی قسم کی آواز سے خوشی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح کتے کو گانے سے بھی غصہ معلوم ہوتا ہے -

بلی کا ممیانا ، اسکی خواہش ، رنجیدگے اور استدعا کو ظاہر کرتا ہے - بعض میمون (یعنی انسان نما بندر) انسان کے مانند اپنے دونوں ہاتھوں کو غصہ کے وقت ملتے ہیں ، لیکن غصہ ظاہر کرنے کا ایک نہایت عجیب و غریب طریقہ حشرات ، (یعنی کیڑوں) میں پایا جاتا ہے - مثلاً مکڑیوں میں یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی نر مادہ کی مرضی کے خلاف اس سے اظہار محبت کرتا ہے تو مادہ اسکو سخت سزا دیتی ہے - مادہ مکڑیاں نر کے مقابلے میں زیادہ بڑی ہوتی اور اپنے معاملات میں بالکل آزاد اور خود مختار ہوتی ہیں ، اور غالباً یہی وہ فوقیت ہے جسکی وجہ سے وہ غیر موزوں ملاپ اور سنجوگ کے خواہشمند نر کو مار کر کھا جاتی ہیں - اسلئے مکڑیوں کی دنیا میں نر کے لئے کورٹ شپ میں

بڑے خطرے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان خطرات کے ہوتے ہوئے
اب اگر اظہار محبت کیا جائے تو وہ کتنا شدید اور سچا ہو سکتا ہے۔

حیوانات، غصہ کے جوش میں، بعض وقت اندھے بن جاتے
ہیں اور جذبۂ انتقام میں خود کو بھی نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ ایک
ریچھ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اتفاق سے گرم پانی سے
جل گیا تھا اس غصہ میں اس نے گرم پانی کی پوری کیتلی اُٹھا کر
اپنے اوپر انڈیل لی۔ بے جان چیزوں پر غصہ کا اظہار کرنے کی
خاصیت حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے اور قدیم زمانے کے وحشی
انسان بھی ایسا ہی غصہ، بے جان چیزوں پر ظاہر کرتے تھے۔ مسٹر
موروڈ کا بیان ہے کہ جب وہ نیوزی لینڈ میں تھے اور وہاں گورے
آدمیوں کی آبادکاری کا آغاز ہو رہا تھا، تو اس وقت انہوں نے وہاں
کے اصل باشندوں کو جو موری کہلاتے ہیں، اکثر دیکھا کہ وہ اپنے
جسم سے کانٹے نکال کر ان کو اپنے دانتوں سے زور سے کاٹتے تھے
تاکہ اس تکلیف کا انتقام لیں جو ان کانٹوں سے ان کو پہنچتی تھی۔

جب بعض حیوانوں کو رات میں نیند نہیں آتی تو انکے دماغ
کا توازن بگڑ جاتا ہے، اور وہ ذرا ذرا سی باتوں پر سخت ناراض
اور غصہ ہو جاتے ہیں۔ پالتو ہاتھیوں میں شائد ہی کوئی ایسا ہو جو
کبھی کسی حادثہ کا شکار نہ ہوا ہو۔ ایک سرکس کے مالک مسٹر
سارا سانی کے پاس کئی ہاتھی تھے، ایک مرتبہ جب وہ ہاتھیوں کا
ریہرسل کرا رہے تھے تو آٹھ ہاتھیوں نے ایک ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔

اس کی کوئی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ گو وہ اس بات کو جانتے تھے کہ
ان کا سرغنہ کرتب کرتے وقت اپنے جسم کا توازن قائم نہ رکھنے کی
وجہ اکثر گر پڑتا تھا اور غالباً یہ اسی کی شرارت ہوگی ان کو غصہ
جسقدر جلد آتا ھے اتنا ہی جلد اتر بھی جاتا ھے۔ چنانچہ اکثر
دیکھا گیا ھے کہ ایک ہاتھی سرکس میں بگڑ کر بہت سا نقصان کرنیکے
فوراً ہی بعد نہایت خاموشی کے ساتھ کسی مانوس آدمی کی آواز پر
اپنے اصطبل کو واپس چلا جاتا ھے۔

بعض اوقات، حیوانات ذرا ذرا سی باتوں پر ناراض ہو کر
اپنے مخالف کو جان سے مار ڈالتے ھیں جس کیلئے بعد میں ان کو
پچھتانا پڑتا ھے۔ کیونکہ غصہ کی حالت میں وہ بالکل بے قابو ہو جاتے
ھیں یہ بات حیوانوں ہی تک محدود نہیں، بلکہ عدالت کی رپورٹوں سے
پتہ چلتا ھے کہ انسان بھی، بعض وقت، غصہ میں ایسے ہی شدید
جرم کر بیٹھتا ھے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غصہ، دراصل
ایک قسم کی « مختصر سی دیوانگی » ھے جیسا کہ کسی رومن شاعر
نے کہا ھے، اور اس کا زیادہ تر انحصار حیوانوں میں غذا کی نوعیت
پر ہوتا ھے جو ان کے جذبات کو بے حد متاثر کرتی ھے۔ کچا گوشت
کھانے سے حیوانوں میں خونخواری پیدا ہوتی ھے۔ اور زیادہ کھانے
سے وہ ذرا ذرا سی باتوں پر انتہائی غصہ اور خوفناک حرکتیں کرنے لگتے
ھیں۔ کسی قدر بھوکے رہنے یا کم غذا پانے سے حیوانوں کا دماغی
توازن برقرار رہتا ھے اور وہ اچھی حالت میں رہتے ھیں۔

بعض اوقات سنجیدہ سے سنجیدہ آدمی بھی غصہ کی حالت میں حیوانوں کو اس بیدردی سے مارتے اور سزا دیتے ہیں کہ نہ صرف ان کے جسم، بلکہ ان کے جذبات کو بھی سخت صدمہ پہنچتا ہے اور یہ بات ان حیوانوں کے مستقل غصہ اور ناراضگی کا سبب بن جاتی ہے۔

مناسب ہوگا کہ جب ہم عام یا پالتو حیوانوں کے ساتھ سخت برتاؤ کریں تو ان کے فخر اور خودداری کے جذبات کا ضرور لحاظ رکھیں۔ حیوانوں میں ذاتی خودداری اور مرتبہ کا احساس بہت قوی ہوتا ہے اور وہ اس بات کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کسی فوج کے ایک گھوڑے کے کردار پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ اسے اپنی اہمیت کا پورا پورا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ بات وہ اپنے اقا کی ستائش میں پاتا ہے۔ گانے والے پرندے، جب مقابلہ میں دوسرے حریفوں سے شکست کھا جاتے ہیں تو وہ اپنے زخمی جذبات اور احساسات کو خاموش رہ کر چھپاتے ہیں اور فتحمند حریف کی موجودگی میں ذرا بھی نہیں گاتے۔

اسی طرح، متعدد حیوانوں میں اپنی تعریف سے متاثر ہونیکا احساس بہت زیادہ ہوتا ہے تعریف جب قدر او وقعت کے ساتھ کی جاتی ہے تو حیوانوں کی تعلیم و تربیت میں اس سے بڑے مفید نتیجے نکلتے ہیں تعریف، الفاظ، اشاروں اور نظروں سے بھی کیجاتی ہے اور غذا کی صورت میں بھی۔ کتے، گھوڑے اور خچر

تعریف کو اتنا ہی پسند کرتے ھیں جتنا کہ ایک انسان کا بچہ۔ ہم میں سے اکثر اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ فخر کرنے کا یہ احساس ان کو وراثت میں ملا ھے۔ مور کو اپنے رقص پر بڑا فخر اور ناز ہوتا ھے اور انسان، اس کے فخر سے اپنے فخر کو تشبیہہ دیتا ھے۔ اسکی خوبصورت دم اور دلکش رقص کی ادائیں اسکے اندر یہ جذبہ پیدا کرتی ھیں کہ مورنیاں اسکے حسن سے ضرور متاثر ہوتی ہوں گی، اور یہ واقعہ بھی ھے کہ مور قدرت کی پیداوار کا ایک نہایت خوبصورت اور خوش نما نمونہ ھے۔

اکثر گروہ کے حیوانات، جو مل جلکر ایک جگہ رہتے ھیں، اپنا ایک سردار مقرر کر لیتے ھیں۔ سردار کو اپنے مرتبہ کا بڑا احساس اور اسپر بڑا فخر ہوتا ھے، اور وہ اپنے اس فخر کو اپنی جسمانی طاقت اور دوسرے حریفوں پر فتح پانے سے قائم رکھتا ھے۔ اگر سردار کسی دوسرے گروہ کے زیادہ نوجوان اور طاقتور فرد سے ہار جائے تو اسکا فخر اور اعزاز سب ختم ہو جاتا ھے، اور جیتنے والا اسکی جگہ لے لیتا ھے۔ شکست خوردہ، سردار اس گروہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جاتا ھے، اور عموماً ندامت اور شرم کے احساس سے رفتہ رفتہ گھٹ گھٹ کر مر جاتا ھے۔

فخر کا اظہار، ایک حیوان کی رفتار اور اسکے طرز عمل سے بھی ہوتا ھے۔ گانے میں فخر کا جذبہ بہت زیادہ پایا جاتا ھے۔ مختلف

قسم کے پرندوں میں اپنی جسمانی خوبصورتی کا احساس قوی ہوتا ہے اور وہ اسپر فخر کا اظہار طرح طرح سے کرتے ہیں۔

حیوانوں میں مادرانہ فخر کا اظہار بہت عام ہے۔ مثلاً بلی، کتے اور مرغیاں اپنے بچوں پر بہت فخر کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ اسی طرح اپنے بچوں پر مغرور ہوتی ہیں جس طرح انسان۔ حیوانات اپنے ساتھ بے اعتنائی اور بے پروائی برتے جانے، اور ناانصافی کئے جانیکا احساس بخوبی رکھتے ہیں، اور ایسی باتوں سے انکے جذبات فخر کو بہت ٹھیس لگتی ہے۔ لہذا ہم کو چاہئے کہ حیوانوں کے ان تمام جذبات اور احساسات کا خیال رکھتے ہوئے ہمیشہ ان سے اچھا برتاؤ کریں۔

چھٹا باب

حیوانوں کی ذہانت

کیا حیوانات میں ذہانت پائی جاتی ہے؟ ذہانت کا مطلب یہ ہیکہ ایک جانور کوئی کام خاص وجوہ اور اسباب کے تحت انجام دے اور اس میں ایک فیصلہ کن قابلیت اور مقصد کو حاصل کرنیکا احساس موجود ہو اس مقصد کے حصول کے لئے وہ عملی جد و جہد کر سکتا ہے۔ اسکے برعکس جبلت (یعنی پیدائشی عادت) وہ ہے جسکے زیر اثر ایک حیوان، اندھا دھند کوئی کام کرتا ہے اور جس کیلئے اسے ذہانت یا قوت استدلال سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ خاصیتیں یا تو وراثتاً منتقل ہوتی ہیں یا بیرونی حالات سے متاثر ہوکر وہ ایک نامعلوم منزل پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن حیوانوں کے متعلق اس بات کا جاننا آسان نہیں ہے کہ وہ کس وقت پیدائشی عادت (جبلت) کے تحت کام کر رہے ہیں اور کس وقت ذہانت سے کام لے رہے ہیں۔ یہاں چند واقعات اور مشاہدے ایسے بیان کئے جاتے ہیں جن سے حیوانوں کی ذہانت کا بڑی حد تک اندازہ ہوسکتا ہے۔

اود بلاؤ (اوٹر) (شکل - ٤) کا، ذہانت کے اعتبار سے، کتے کے بعد ہی دوسرا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا

ھے کہ ایک پروفیسر صاحب کے پاس اود بلاؤ کا ایک جوڑا تھا۔ ایک مرتبہ اود بلاؤ کی مادہ حوض کے اندر منھ میں گھاس دبائے ہوئے تیر کر دوسرے کنارے کی طرف جارہی تھی، تاکہ گھاس لیجاکر اپنے مسکن میں رکھدے، عین اس حالت میں پروفیسر نے اس کو اسکا نام (میڈم موسس) لیکر پکارا۔ وہ اپنا نام سن کر پروفسر صاحب کی طرف آنے کیلئے پلٹی، لیکن کچھ سوچکر ٹھر گئی اور آنے میں پس و پیش کیا۔ پھر وہ گھوم کر دوسرے کنارے کی طرف بڑھی، تیزی سے تیر کر اپنے مسکن کے پاس دوڑتی ہوئی گئی، وہاں گھاس رکھدی اور پھر تیر کر پروفیسر کے پاس واپس آئی۔ اسکی عادت تھی کہ پروفیسر کی زبان سے اپنا نام سنتے ہی فوراً دوڑ کر اسکے پاس چلی جاتی تھی، لیکن اس خاص موقع پر پروفیسر کے پاس فوراً آنیکی کوشش، اور ساتھ ہی گھاس کو اپنے گھر میں رکھنے کا ارادہ، دونوں کیفیتوں کا بخوبی اظہار ہو رہا تھا اس طرح اپنے مسکن میں جاکر گھاس رکھنے اور پھر پروفیسر کے پاس واپس آنے میں یقیناً اسکے ارادے کو دخل تھا۔

انسان نما بندروں (یعنی میمون) میں ذہانت، دوسرے تمام حیوانوں سے زیادہ پائی جاتی ھے۔ پروفیسر کوہلر نے ایک میمون چمپانزی کی (شکل ۔ ۲۲) دماغی قابلیتوں کا بہت محنت اور کاوش سے مطالعہ کیا ھے، اور مفید نتائج حاصل کئے ھیں۔ اس نے متعدد قسم کے حیوانات کو ایک ساتھ رکھا اور ان پر بے شمار تجربے

گئے ۔ ایک تجربہ میں یہ ہوا کہ اس نے کھانے کی چیزوں کو میمون کے پنجرے کے باہر کچھ فاصلہ پر رکھا۔ پنجرے کے اندر جو میمون تھا اسکے پاس پتلے اور موٹے بانس کے کئی ٹکڑے ڈال دئے گئے، لیکن ان ٹکڑوں میں ایک بھی اتنا لانبا نہ تھا کہ کھانے کی چیزوں تک پہنچ سکتا۔ لیکن ایک میمون نے یہ سوچا کہ اگر ایک پتلے بانس کو ایک موٹے بانس کے کھوکھلے حصے میں رکھا جائے تو وہ دونوں مل کر زیادہ لانبے ہوجائیں گے اور غذا تک پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد سے یہ بات میمون کے ذہن نشین ہوگئی کہ حسب منشا، لکڑی کو کس طرح جوڑ کر لانبا بنایا جاسکتا ہے۔ ان چمپانزیوں کے پنجروں کے قریب روٹی کے ٹکڑے مختلف فاصلے پر ڈال دئے جاتے تھے جن کو کھانے کی غرض سے مرغیاں اس طرف جاتی تھیں اور جب وہ روٹی کے ٹکڑے اٹھانے لگتیں تو کوئی ایک میمون لکڑی لے کر یکایک مرغیوں کے جسم میں چبھو دیتا، جس سے مرغیاں اچھل کر بھاگ جاتی تھیں اور بندر خوش ہوتے تھے۔ کیا ان تمام مثالوں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان میں ایک قسم کی شرارت آمیز ذہانت اور قوت استدلال موجود ہوتی ہے جو فطری تقاضے کی اندھا دھند پیروی پر مبنی نہیں ہوتی؟

لندن کے حیوانیاتی باغ (یعنی چڑیا گھر) کے متعلق ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو فوجی سپاہی ایک ہاتھی کے کٹہرے کے قریب کھڑے ہوئے اس کو روٹی دکھلا رہے تھے۔ لیکن جب

ہاتھی ان کی طرف روٹی لینے آتا اور اپنی سونڈ باہر نکالتا تو وہ لوگ روٹی ہٹالیتے۔ انہوں نے اس طرح ہاتھی کو کئی بار پریشان کیا۔ چند لڑکے جو وہاں کھڑے تھے، اس تماشے پر قہقہہ لگاتے، خاص طور پر اس وقت جب ہاتھی مایوسی کے ساتھ روٹی نہ پاکر واپس جاتا تھا۔ اس طرح چند منٹ گذر گئے۔ ایک مرتبہ ہاتھی کٹھرے کے دوسرے کونے کی طرف گیا جہاں پانی کا نل تھا اور جس سے پانی قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا اپنی سونڈ ٹونٹی میں لگا کر بہت دیر تک ہاتھی وہاں کھڑا رھکر سونڈ کے اندر پانی جمع کرتا رہا۔ دونوں سپاہی ابتک وہیں کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہاتھی وہاں سے انکی طرف آیا اور اپنی سونڈ کا پانی اس، زور سے ان دونوں پر پھیکا کہ ان کی آنکھ، ناک اور کان میں چلا گیا اور وہ دونوں پریشان ہوکر وہاں سے بھاگے۔ ہاتھی خاموش کھڑا اس منظر کو دیکھتا رہا۔

میرے خیال سے انتقام (بدلہ لینا)، حافظہ، ذہانت اور قوت استدلال کو جانچنے کی بہترین کسوٹی ھے ایک مرتبہ کا ذکر ھے کہ ایک مورنی ایک کھیت میں خاموشی سے دانہ چگ رہی تھی۔ ایک مور اسکے پاس آیا اور اسکو چونچ ماری۔ مورنی نے دانہ چگنا چھوڑ دیا اور اسکی طرف پلٹی وہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر وہاں سے بھاگا۔ مورنی نے اسکا تعاقب کر کے اسکو پکڑ لیا اور چونچ سے خوب جھنجھوڑا، پھر جب وہ اسکی گرفت سے آزاد ہوکر بھاگا تو مورنی نے پھر اسکا پیچھا کیا اور اسکو ایک گھنٹہ تک بہت

غصہ کے ساتھ چونچ سے نوچتی رہی ، یہاں تک کہ وہ بہت بے حال ہوکر بھاگا اور قریب کی ایک جھاڑی میں چھپ کر جان بچائی ۔

حیوانوں میں ، کتا سب سے زیادہ ذہین سمجھا جاتا ھے اور اسکی وجہ یہ ھے کہ وہ سیکڑوں برس سے انسان کا رفیق چلا آرہا ھے اور اسکی ذہانت میں زیادہ تر انسان کی تربیت کے اثرات موجود ہوتے ھیں جو اُس نے کتے کو دی ھے ۔

کتے کے بعد ذہانت میں بلی کا درجہ ھے ۔ عام طور پر تو یہ خیال کیا جاتا ھے کہ وہ چور اور ڈاکو ھے اور اسکا انس اور پیار محض کھانے کی حد تک ھے ، اور یہ کہ وہ کسی آدمی سے مانوس ہونیکی بجائے کسی مکان سے مانوس ہونا زیادہ پسند کرتی ھے ۔ لیکن واقعہ یہ ھے کہ بلی ایک نہایت ہی پیارا اور انسان سے جلد مانوس ہونیوالا حیوان ھے ۔ ایک ماہر حیوانیات مسٹر ونزیل نے اپنی پالتو بلی کا ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کیا ھے کہ ان کی پالتو بلی اور پالتو کتے میں بڑی دوستی ہوگئی تھی ۔ وہ دونوں ایک ہی برتن میں کھاتے ، ایک ہی بستر پر لیٹتے ، اور ایک ساتھ تفریح کو جایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ مسٹر ونزیل نے ان کی دوستی کا امتحان لیا ، وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ جب خود بھنا ہوا تیتر کھا رہا تھا تو اس نے صرف بلی کو اندر آنے دیا اور کتے کو کمرے کے باہر ہی روکدیا ۔ اور اپنے ساتھ بلی کو خوب کھلایا ، اسکے بعد پرندے کے بچے ہوئے حصے کو ایک نعمت خانہ میں رکھدیا جسکے دروازے کو ارادتاً

بلا قفل لگائے چھوڑ دیا گیا تھا مسٹر ونو یل نے اب بلی کو کمرے سے باہر جانے کی اجازت دیدی اور اسکو دیکھتا رہا کہ وہ کیا کرتی ھے۔ بلی کمرے سے نکل کر کتے کو تلاش کرنے لگی اور جب کتا مل گیا تو دونوں ایک دوسرے کے پاس پہنچ کر آہستہ آہستہ غرانے لگے۔ اسکے بعد ہی دونوں کمرے میں واپس آئے۔ بلی نے نعمت خانہ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوکر تیتر کے بچے ہوئے حصہ کو کھینچ کر باہر گرا دیا جسکو کتے نے کھا لیا۔

پرندوں میں ذہانت کے اعتبار سے کوا بہت ہوشیار اور چالاک سمجھا جاتا ھے، اور دوسرے پرندوں میں طوطے کی ذہانت بہت مشہور ھے۔ جس موزونیت کے ساتھ یہ پرندہ، سنی سنائی باتوں کو ادا کرتا ھے اسکی نظیر نہیں ملتی۔ مسٹر آڈوبن کا خیال ھے کہ طوطا چار سے زیادہ تک گن نہیں سکتا۔ لیکن یہ صلاحیت بھی پرندوں کی نہایت ذہین جماعتوں میں پائی جاتی ھے۔

حیوانوں میں گننے یا اعداد شماری کی صلاحیت بہت ہی کم ہوتی ھے۔ چنانچہ بلی کے متعلق ایک مشہور عالم حیوانیات مسٹر ڈیلائنس کا بیان ھے کہ وہ صرف دس تک گن سکتی ھے۔ بعض لوگوں کا خیال ھے کہ وہ صرف تین یا چار تک ہی شمار کرسکتی ھے۔ کیونکہ بچوں کی پیدائش کے بعد جب اس کے غیاب میں چند بچوں کو ہٹا لیا گیا تو واپس آنے پر اسے بچوں کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

پروفیسر ڈیلا ئنس کا خیال ہے کہ گھوڑے بہت اچھی طرح گن سکتے ہیں اور ایک خاص گھوڑے کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ پچیس تک بڑی آسانی سے گن سکتا تھا ۔ کتے ، اعداد شماری کی بڑی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ چنانچہ بعض ملکوں میں انہیں بھیڑوں کے گلوں کی نگہبانی کرنیکے لئے رکھا جاتا ہے اور اس لحاظ سے یہ بعض نہایت قدیم وحشی انسانوں سے بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ۔ کیونکہ دریافت کیا گیا ہے کہ اسٹریلیا کے بعض نہایت قدیم باشندے پانچ سے زیادہ نہیں گن سکتے تھے ۔

ہاتھی کی ذہانت کے متعلق ایک سیاح مسٹر بل کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک گاؤں میں ایک ہاتھی کے متعلق سنا تھا کہ ایک مرتبہ وہ ایک وزنی درخت کا تنہ کھینچ رہا تھا تو اس اثناء میں وہ کام چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گیا ۔ مہاوت نے سوچا کہ اب وہ ہمیشہ کے لئے بھاگ گیا ہے اور شاید پھر کبھی واپس نہ آئے گا ، لیکن اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا ہو گا کہ فرار شدہ ہاتھی ڈیڑھ یا دو گھنٹوں کے بعد واپس آیا اور اسکے ساتھ دو جنگلی ہاتھی اور بھی تھے جنکو وہ سمجھا بجھا کر اپنے ساتھ اس لئے لایا تھا کہ وہ دونوں بھاری بوجھ کو کھینچنے میں اسکی مدد کریں ۔ چنانچہ مہاوت خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا ۔ ان دونوں نئے ہاتھیوں کی مدد سے پالتو ہاتھی نے اپنا کام پورا کرلیا اور وہ دونوں ہاتھی کام ختم کرکے جنگل کو واپس ہو گئے ۔

مسٹر پرگاد کا بیان ھے کہ فرانس کے دیہاتوں میں کسان شکار کرنیکے لئے جو کتے پالتے ھیں وہ بڑے ہی چالاک اور ساتھ ہی ساتھ مکار بھی ہوتے ھیں ۔ جب وہ جنگلوں میں اپنے آقاؤں کے ساتھ خرگوش کا شکار کرنے جاتے ھیں اور خرگوش گولی کا نشانہ بنتے ھیں تو کتے شکار لانے کے لئے دوڑتے ھیں ۔ لیکن بعض وقت، جب شکار دور چلا جاتا ھے اور کتا چاہتا ھے کہ اسکو خود ہی ہضم کر جائے ، تو وہ اس بہانے کے ساتھ آقا کے پاس واپس آتا ھے کہ جیسے شکار اسے نہیں ملا ۔ لیکن وہ کرتا یہ ھے کہ شکار کو پکڑنے کے بعد یا تو اسے زمین میں کہیں دبا دیتا ھے یا پھر جھاڑیوں میں چھپا دیتا ھے تاکہ فرصت کے وقت اسکو اطمینان سے کھالے ۔ اس کے بر عکس بعض دوسرے فرانسیسی شکاری کتے اس معاملے میں بڑے ہی ضبط کے پابند اور ایماندار ہوتے ھیں اور وہ سارے کا سارا شکار بلا کسی عذر و حیلہ کے آقا کے سامنے لا کر رکھدیتے ھیں اور اس میں سے ذرا سا بھی نہیں چراتے ۔

چوھوں کے متعلق ایسی بہت سی کہانیاں مشہور ھیں جن سے ان کے آپس کے اتحاد اور ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی مثال ملتی ھے ۔ ان میں سے ایک یہ بھی ھے کہ بہت سے چوھے ملکر ایک بڑے انڈے کو ڈھکیل کر اپنے مسکن کے اندر پہنچاتے ھیں ۔

عملی اتحاد اور اتفاق کی بہترین مثالیں ، بعض ادنی درجہ
کی مخلوق مثلاً کیڑوں ، چیونٹی ، شہد کی مکھی اور دیمک وغیرہ میں
بھی ملتی ھیں ۔ گو ان کی بعض عادتیں جبلی (بعض پیدائشی) ہوتی
ھیں ، پھر بھی ایک حد تک انمیں حافظہ اور ذہانت موجود ہونیکی
بیسیوں مثالیں ملتی ھیں ۔ ذہانت کی موجودگی کا پتہ کسی حد تک
مچھلیوں میں بھی چلتا ھے ، وہ اس طرح کہ وہ ایک ہی مقام پر
چارہ پانیکے انتظار میں جمع ہوتی ہوئی نظر آئینگی ۔

پروفیسر فرانسس پٹ کا بیان ھےکہ ذہانت اور قوت استدلال ،
ہر قسم کے حیوان میں پائی جاتی ھے ، البتہ اس قوت میں درجہ بہ
درجہ فرق پیدا ہوتا گیا ھے ۔ مثلاً ایک فلسفی کی ذہانت ، ایک
بچے کی ذہانت ، ایک کتے کی ذہانت اور کیڑے کی ذہانت ۔
لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سب میں یہ قوت
ایک ہی نوعیت کی ہوتی ھے ۔

ساتواں باب

حیوانوں کی سوسائٹی

(یعنی سماج)

سوسائٹی (یا سماج) سے مراد بہت سے افراد کا ایک مجموعہ ہے جوکہ ایک ہی جگہ رہتا ہے اور اسطرح متعدد افراد کے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ان افراد کی مشترکہ زندگی کے طور طریقوں کو سماجی زندگی کہتے ہیں اور ایک خاص سوسائٹی کی خاصیتیں ان کے افراد کے کردار کے لحاظ سے متعین کی جاتی ہیں۔

انسانی سوسائٹی حیوانوں کی سوسائٹی سے مختلف ہوتی ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ انسان کی « جاننے کی قابلیت » اور اپنے اطوار میں تبدیلیاں پیدا کرنے کی صلاحیت اور حیوانوں کے مقررہ کردار اور اصول زندگی میں فرق ہوتا ہے۔ انسانی سوسائٹی بدلتی رہتی ہے ، لیکن حیوانی سوسائٹیاں ہمیشہ ایک ہی راستہ اور طریقہ پر چلتی رہتی ہیں۔ انسانی سوسائٹی کو خود انسان نے بنایا ہے اسکے برعکس حیوانی سوسائٹیاں پہلے ہی سے معین ہوچکی ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں کیجاسکتی ۔

ہر قسم کی سوسائیٹیاں ، دراصل ان اختلافات اور فرق پر مبنی ھیں ، جو زندگی میں سہولت پیدا کرنیکے لئے مختلف جماعتوں کے افراد میں پائی جاتی ھیں ، اور جن میں تقسیم کار کا اصول پایا جاتا ھے - لیکن انسان میں جو فرق موجود ہوتا ھے وہ صرف جنسی ھے - دوسری سماجی اور سوشیل جماعتیں خود انسان کی بنائی ہوئی ھیں - چیونٹی ، مکھی ، دیمک ، اور زنبور (بھڑ) میں سماجی مرتبہ پہلے ہی سے معین شدہ ہوتا ھے ، یعنی یہ کہ افراد پہلے ہی سے خاص خاص قسم کے پیدا ہوتے ھیں ، جنکو کارکن (ورکر) سپاہی (سولجر) اور حکمران جماعت (یعنی ملکہ اور بادشاہ) کہا جاتا ھے - (شکل - ۱۲ دیمک ، کارکن ، سپاہی ، ملکہ اور بادشاہ)

دیمک کی سماجی زندگی

دیمک گرم ملکوں میں پائے جانیوالے کیڑوں کی ایک نہایت اہم جماعت ھے - یہ کیڑے سوسائٹی بنا کر رہتے ھیں - اسکے افراد تین قسم کے ہوتے ھیں -

۱- کارکن (ورکر) ان میں نر اور مادہ دونوں پائے جاتے ھیں مگر بانجھ ہوتے ھیں اور یہی بستی کے تمام انتظامات کے ذمہ دار ہوتے ھیں - یعنی گھر (شکل - ۱۱ و ۱۲) بناتے - بستی کے تمام ارکان کے لئے غذا مہیا کرتے - اور اسکی ناقص اور بیکار چیزوں کو بستی

کے باہر لیجا کر پھینکتے ھیں۔ یہ بچوں کی پرورش بھی کرتے اور اسکے علاوہ، اور وہ تمام کام انجام دیتے ھیں جنکا تعلق بستی کی حفاظت، دشمنوں سے لڑائی، یا نسل کی افزائش سے نہیں ہوتا۔ یہ بستی میں سب سے زیادہ ہوتے ھیں۔

۲۔ سپاہی (سولجر) ان میں بھی نر اور مادہ دونوں ہوتے ھیں لیکن بانجھ حالت میں۔ انکا کام بستی کی حفاظت کرنا ھے۔ یہ بستی میں داخل ہونے کے راستہ کی نگہبانی کرتے اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ھیں۔ اسکے علاوہ جہاں ان کی امداد کی ضرورت ہو وہاں کارکن (ورکر) افراد کے ساتھ جاتے ھیں اور ملکہ کے لئے محافظی دستہ (باڈی گارڈ) کا کام بھی انجام دیتے ھیں۔ یہ بستی کا اور کوئی کام نہیں کرتے۔ صرف «لڑتے» ھیں۔ یہ کام سوسائیٹی انکے لئے مقرر نہیں کرتی، بلکہ ان میں پیدائشی طور پر اس کام کی صلاحیت موجود ہوتی ھے۔ ان کے جسم زیادہ مضبوط اور ان کے جبڑے زیادہ طاقتور ہوتے ھیں۔

۳۔ حکمران طبقہ (رائیلٹی) ان میں ملکہ اور شاہ شامل ھیں۔ یہ نہ تو بستی کا کوئی کام کرتے ھیں اور نہ لڑتے ھیں۔ ان کا صرف ایک ہی کام ھے، یعنی نسل کی افزائش کرنا۔ انکی ایک نمایاں خصوصیت یہ ھے کہ ان کے جسم میں پروں کے جوڑے پائے جاتے ھیں جو کارکن (ورکر) اور سپاہی (سولجر) میں نہیں ہوتے، اور جب وہ بڑے ہوکر بالغ ہو جاتے ھیں تو بستی سے بہت بڑی تعداد

میں نکل کر « پرواز » کرتے ھیں۔ اسی اڑان کے دوران میں نر اور مادہ کا ملاپ یا سنجوگ عمل میں آتا ھے، یعنی اس ملاپ میں، ایک بستی کے نر اور مادہ افراد، کسی دوسری بستی کے نر اور مادہ افراد میں جنسی طور پر خلط ملط ہو جاتے ھیں۔

سنجوگ (یعنی جنسی ملاپ) کے بعد مادہ دیمک، یعنی ملکہ، انڈے دینے کیلئے کسی ایک مقام کو منتخب کر لیتی ھے اور پھر وہاں نئی بستی کی تعمیر کا کام شروع ہوتا ھے اب ملکہ کے پنکھ، اور پر گر جاتے ھیں اور وہ گھر کے اندر قید کر دی جاتی ھے۔ اس میں انڈے دینے کی صلاحیت غیر معمولی ہوتی ھے۔ اسکا صرف ایک ہی کام ہوتا ھے کہ وہ انڈے دیتی رہے۔ بستی کے کارکن اور سپاہی اسکی حفاظت کرتے، اور اسکے لئے غذا فراہم کرتے رہتے ھیں۔ اسکے سوا ملکہ کوئی اور کام نہیں کرتی۔ اب وہ ایک، انڈا دینے والی مشین، کی حیثیت اختیار کر لیتی ھے۔

یک جنسی سماجی نظام

شہد کی مکھی کی سوسائیٹی (شکلیں۔ ۱۳ و ۱۴) چیونٹیوں کی سوسائیٹی سے اس امر میں مختلف ہوتی ھے کہ اس میں صرف مادائیں شامل ھیں، اور وہی پوری بستی پر حکومت کرتی ھیں۔ اس بستی کے افراد بھی مختلف درجوں میں رکھے جاتے ھیں یعنی کارکن (ورکر) سپاہی (سولجر) ملکہ اور شاہ۔ ان میں اول الذکر دو گروہ،

مادہ ہوتے ہیں - نر ، بستی میں صرف مادہ کے لئے محفوظ رکھا جاتا ہے - مادہ مکھیاں پوری بستی پر ایک بے لکھے ہوئے قانون کے مطابق حکمرانی کرتی ہیں - قانون کی پابندی ان کے عصبی نظام (نروس سسٹم) میں پیوست ہوتی ہے -

شہد کی مکھیوں میں صرف ایک ہی مادہ انڈے دیتی ہے - اسکو «ملکہ» کہا جاتا ہے - یہ «بستی کی ماں» کہلاتی ہے لیکن اسکی بالکلیہ اور آزاد فرما نروا نہیں ہوتی -

کارکن (ورکر) افراد مادہ ہوتے ہیں جن کا نشو و نما جنسی اعتبار سے پوری طرح نہیں ہوتا - کارکن ، بہت تیز ، چست اور پھرتیلے ہوتے ہیں اور انکی عمر بھی بہت کم ہوتی ہے - البتہ ، «ملکہ» سالہا سال زندہ رہتی ہے لیکن کارکن مکھیاں مشکل سے چار مہینے تک زندہ رہتی ہیں -

جب شہد خوب جمع ہو جاتا ہے تو بستی کے تمام افراد کی زندگی بڑی آسانی اور ارام سے بسر ہوتی ہے ، اور اسکی آبادی بھی بڑھ جاتی ہے - کیونکہ شہد کی موجودگی میں مادہ مکھی یعنی «ملکہ» چھتے کے بڑے خانوں میں انڈے دیتی ہے - ان انڈوں سے جو بچے نکلتے ہیں وہ آگے چلکر نر (یا نکھٹو) بن جاتے ہیں اسکے بعد ، کارکن مکھیاں چند خانے چھتے کے بیرونی کناروں پر بناتی ہیں اور ان میں انڈوں کو رکھ دیتی ہیں

جن سے بعد میں مادہ مکھیاں پیدا ہوتی ہیں، اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو انکی بڑی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کو خوب غذا دیجاتی ہے اور اس طرح آخر میں ان سے چند نئی «ملکائیں» پیدا ہوتی ہیں۔ اسکے بعد پھر سنجوگ (یا جنسی ملاپ) کا موسم آتا ہے اور مکھیاں بستیوں سے نکل کر «عروسانہ پرواز» کرتی ہیں، اس پرواز کے دوران میں نر اور مادہ مکھیوں میں جنسی ملاپ (یا سنجوگ) ہوتا ہے - بوڑھی ملکہ، چھتے کو چھوڑ کر نکلتی ہے اور ایک نیا مقام تلاش کر لیتی ہے اور بستی کی ایک بڑی تعداد اسکے ساتھ ہو جاتی ہے - وہ سب اپنے ساتھ بہت سا شہد لیکر اڑتی ہیں اور کسی درخت یا کسی خالی چھتے میں آتی ہیں اور پھر سے نیا چھتہ اور نئی بستی بسنے لگتی ہے - نر، پرانی بستی میں چھوڑ دئے جاتے ہیں، جہاں بہت سے نئے کارکن پیدا ہو جاتے ہیں اور جہاں چند روز کے بعد ایک نئی ملکہ بھی جنم لے لیتی ہے، یہ نر، آزادی سے اڑتے پھرتے ہیں اور بستی کے لئے کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں کرتے - مادہ اکیلی ہی پرواز کرتی اور ایک نئے نر سے سنجوگ کرتی ہے اور اسکے بعد بستی کو واپس آجاتی ہے اور پھر انڈے دینا شروع کرتی ہے، اور وہاں آئندہ موسمی پرواز تک قیام کرتی ہے - اگر اس کے علاوہ اور نئی «ملکائیں» «عروسانہ پرواز» کے لئے تیار ہو جائیں تو وہ انکو ڈنک مار کر ہلاک کر ڈالتی ہے - کیونکہ وہ اپنے کسی «رقیب» کے وجود کو، وہاں، گوارہ نہیں کر سکتی -

اگر شہد کی پیداوار کم ہو جائے تو «نر» تکلیف اٹھاتے ھیں، وہ بستی کے لئے اب بالکل بیکار ثابت ہوتے ھیں - لہذا کارکن مکھیاں انکو ڈنک مار کر ختم کر دیتی اور ان کے جسم کو چھتے کے باہر پھیک دیتی ھیں -

حیوانی دنیا میں، یہ ایک نہایت عجیب و غریب قسم کا سماج ھے جسکو صرف مادہ مکھیاں چلاتی ھیں - غالباً اسکی ایک وجہ یہ بھی ھے کہ ڈنک صرف مادہ میں پایا جاتا ھے -

حیوانوں میں قومیت بھی پائی جاتی ھے - چیونٹیاں، شہد کی مکھاں اور دیمک سماجی کیڑے (یا حشرات) سمجھے جاتے ھیں اور یہ قدرتی سماج (یعنی سوسائٹی) کی سب سے برتر اور اونچی جماعتوں کی نمائندگی کرتے ھیں - ان میں قومیت پوری طرح نشو و نما پاتی ھے - ہر فرد اپنی اپنا کام کرنے کیلئے پیدا ہوتا ھے اور مرنے تک نہایت مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتا رہتا ھے - پروفیسر جے - ایچ - کومسٹاک کا بیان ھے کہ «اگر کوئی سیاست دان یا فلسفی ایک کامل اشترا کی جماعت کا مطالعہ کرنا چاہتا ھے تو اسے چاہئے کہ وہ انسانی ادنی کوششوں کی تواریخ کو اٹھا کر طاق میں رکھدے، اور جا کر چیونٹیوں کی کسی بستی کو غور سے دیکھے، اور اسکے حالات معلوم کرے - وہاں اُسے دوست، بیوی یا بچے کی محبت نظر نہ آئے گی، بلکہ بستی کے تمام افراد میں، ہر فرد کی محبت کار فرما دکھلائی دیگی - اس میں جو کچھ

کیا جاتا ھے ، سب کی بھلائی کے لئے ہوتا ھے ، کسی ایک فرد کے لئے نہیں ۔ حکمران جماعت جنگ کرتی ھے ، وہی سب کے لئے غذا فراہم کرتی ، بچوں کی پرورش کرتی اور سب کی مالک ہوتی ھے ۔ وہاں اسے موجودہ سوسائٹی کے حالات سے کوئی شکایت نہ ہو گی ، اور نہ کسی قسم کی بغاوت کا احساس ۔ البتہ یہ ضرور ھے کہ ہر فرد کی قسمت کا تعین اسکی پیدائش سے ہوجاتا ھے اور ہر فرد بلا کسی چون و چرا کے اپنا کام کرنے لگتا ھے ۔ وہ (یعنی سیاستدان یا فلسفی) دیکھے گا کہ اس جماعت کے افراد میں ہمت ، وطن پرستی ، وفا شعاری اور کبھی نہ تھکنے والی مشقت کا جذبہ موجزن ھے ۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ جنگ کرنا ، غلام بنانا اور دوسری جماعتوں اور افراد کے حقوق کی طرف سے انتہائی نفرت برتنے کا جذبہ بالکل اسی طرح ان میں بھی کارفرما نظر آتا ھے جسطرح خود انسانی اقوام میں ۔

سماجی ، ریڑھ دار حیوانوں میں صرف چند پرندے اور دودھ پلانے والے حیوانات (یعنی میمل) شامل کئے جاتے ھیں ۔ ان میں سماجی نشو نما بہت ہی کم ہوا ھے اور پیدایشی طور پر کوئی قومیت موجود نہیں ہوتی ، بلکہ صرف جنسی امتیاز پایا جاتا ھے ، جس کی وجہ سے نر افراد میں لڑنے اور حفاظت کرنے کیلئے بعض اعضا موجود ہوتے ھیں اور مادہ بچوں کی پرورش کا کام انجام دیتی ھے ۔

پرندوں میں ایک بہت ہی سادہ سماجی نظام پایا جاتا ہے۔ مثلاً کوے اور بوزنہ، دوسرے افراد کو خطرے سے آگاہ کردیا کرتے ہیں۔ ان کے سرداروں میں ایک طرح کی ذمہ دارنہ ذہنیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ کسی خاص مقام پر پوری طرح قبضہ کرلینے کے مجاز بھی سمجھے جاتے ہیں۔ ان باتوں میں ہم ایک اونچے درجہ کی سماجی ذہنیت کے آثار دیکھتے ہیں۔

آٹھواں باب

حیوانوں کی تربیت اور اسکے فائدے

جب کبھی انسان یا حیوان مل جل کر ایک جگہ رہنا چاہتے تو وہ اپنی اس جماعت کی ترقی، حفاظت اور آسائش کے لئے بعض قانون بنالیتے ھیں۔ اس لحاظ سے ان میں ایک دوسرے کے درد دکھ میں شریک ہونے کا جذبہ اور تھوڑی بہت قربانی اور ایثار کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہئے۔ یہ بات انسان کی سوسائٹی میں بھی پائی جاتی ھے اور حیوانی گروہ میں بھی، اور یہی وجہ ھے کہ انسان اور حیوان دونوں اجتماعی زندگی میں کوئی دقت اور پریشانی محسوس نہیں کرتے۔

انسان کی اعلی ذہانت کی وجہ سے جو ارتقائی حالات پیدا ہوگئے ھیں پالتو حیوان، ان میں زندگی بسر کرتا ھے، وہ اس کے بنائے ہوئے گھروں میں رہتا ھے اور انسانی تہذیب کی خوبیوں سے فائدہ اٹھاتا ھے۔ بعض حضرات یہ اعتراض کریں گے کہ یہ کہنا غلط ھے کہ انسان حیوانوں کو ایسے حالات میں رہنے کا پابند بنا سکتا ھے جن کو خود قدرت نے ان کے لئے نہیں بنایا، اور یہ کہ وہ آزادانہ حالت میں موجودہ حالت سے کہیں زیادہ خوش اور آرام سے رہ سکتے ھیں۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ھے کہ زمانہ کی رفتار کا رخ

بدلا نہیں جا سکتا۔ حیوانوں کی بہت سی جماعتیں، صدیوں سے، انسانوں سے مانوس چلی آرہی ھیں اور اب اگر وہ الگ کردی جائیں تو انہیں اس جدائی کا، اور انسان کی نگہبانی سے محروم ہونے کا احساس ضرور ہوگا۔ مثلاً اگر ہم ایک اعلی قسم کے پالتو کتے کو کسی جنگل میں لے جاکر چھوڑ دیں تو وہ وہاں کیا محسوس کریگا؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ غریب جانور، زندہ ضرور رہے گا، لیکن اس کی زندگی نہایت ناخوشگوار اور غیر مطمئن ہوگی اور اس کی اولاد کئی نسلوں تک «قدرتی ماحول» سے نا مانوس رہے گی۔ چنانچہ ان کی آئندہ نسلوں کو اس قابل بنانے کے لئے، کہ وہ اپنے دوسرے رشتہ داروں کے مانند جنگل کی آزادانہ زندگی سے پوری طرح فائدہ اٹھائیں، اور اس سے مطمئن اور خوش ہوں، ان کی فطرت سے ان خصلتوں کو دور کرنا ہوگا جو انہوں نے مہذب انسانوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اپنے اندر پیدا کرلی ھیں۔

ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ھے جس سے ہم یقین کے ساتھ یہ معلوم کرسکیں کہ آیا سب سے پہلے کتے اور بلیاں زبردستی جنگل سے پکڑ کر لائی گئیں اور انسان کے تعمیر کردہ مکانوں میں رہنے پر مجبور کی گئیں، یا یہ کہ وہ خود اپنی مرضی سے انسانوں کے ساتھ آکر رہنے لگیں۔

خواہ یہ صورت کچھ ہی رہی ہو، اب ہمارا خیال یہ ھے کہ دو طرفہ بھلائی کی خاطر انسانوں اور بعض حیوانوں کو ایک دوسرے

کے ساتھ مل جل کر اس حالت میں رہنا چاہئے جس کو ہم « تہذیب »
کہتے ہیں۔ اور چونکہ تہذیب، انسانی ذہنیت کی پیداوار ہے،
اس لئے اس پر واجب آتا ہے کہ وہ اپنے حیوانی رفیقوں کی زندگی
کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرے۔ وہ « طریقہ » جس کے ذریعہ
وہ اجنبی حیوانوں کو، مہذب زندگی اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے،
« تربیت » کہلاتا ہے۔

نئی اختیار کی ہوئی خصلتوں (یا اکتسابی عادتوں) اور
جبلت (یعنی پیدائشی عادتوں) میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔
انسان کے بچوں کو سماجی دنیا میں ایک خاص مرتبہ حاصل کرنے
کے لئے تربیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ حیوانوں
کے بچوں کو بھی ایک خاص تربیت دی جائے تاکہ وہ آئندہ زندگی
میں مصیبت اور تکلیف نہ اٹھائیں۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہ بات
ثابت ہوتی ہے کہ کم عمری میں انسان اور حیوانوں کے بچوں کو جو
تربیت دی جاتی ہے وہ بہت مفید ثابت ہوتی ہے اور اسکے اثرات
بہت گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔

پھر کوئی وجہ نہیں کہ حیوانوں کو تربیت دے کر انسان انکو
اپنے کام کے قابل نہ بنائے۔ لیکن یہاں ایک نئی دشواری کا سامنا
کرنا پڑتا ہے وہ یہ کہ بہت سے لوگ اس بات سے واقف ہی نہیں
ہیں کہ مختلف حیوانوں کے بچے کب تک بچے رہتے ہیں اور کب
جوان ہوجاتے ہیں اور عام طور پر ان کی عمریں کیا ہوتی ہیں۔ مثلاً

ہاتھی کو لیجئے - بیان کیا جاتا ہے کہ قید کی حالت میں اس کی عمر ایک سو تیس برس تک ہوسکتی ہے - یہ انسان کی موجودہ عمر سے تقریباً دوگنا ہوتی ہے - ہاتھی سولہ برس تک لڑکپن کے نشو و نما کے درجے طئے کرتا ہے - اس کے برعکس پالتو کتے کے بچے ایک سال میں جوان اور بالغ ہوجاتے ہیں - یعنی ، بچپن اور لڑکپن کے درجے طئے کرلیتے ہیں ، یہ دونوں حیوان انسان کے دوست ہیں ، لیکن اگر ہاتھی کی تربیت کئی کئی سال تک جاری رکھی جاسکتی ہے تو کتے کی تربیت صرف چند مہینوں تک محدود رہنی چاہئے -

اکثر اوقات سائنسی اخباروں اور میگزین وغیرہ میں ان سوالات پر خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ذہانت کے لحاظ سے انسان کے بعد ، کن حیوانوں کا درجہ ہے اور ان کو تربیت دینے کا بہترین طریقہ کیا ہوسکتا ہے ؟ جواب میں ہمیشہ اختلافات پائے جاتے ہیں ، لیکن اکثریت کی رائے کتے کے موافقت میں ملتی ہے - اسکی وجہ یہ ہے کہ کتا سیکڑوں برس سے انسان کا رفیق چلا آرہا ہے اور اسکی ذہانت میں زیادہ تر انسان کی اس تربیت کے اثرات موجود ہوتے ہیں جو اس نے کتے کو دی ہے -

ذہانت کے اعتبار سے کتے کا حریف ہاتھی سمجھا جاتا ہے اور اس طاقتور حیوان کی اس امداد سے ، جو اس نے انسان کی ، کی ہے ، اسکی ذہانت کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے لیکن دنیا کے تمام ہاتھیوں میں یہ بات موجود نہیں ہوتی ہاتھیوں کی فہم اور

ذہانت کے قصے ساری دنیا میں مشہور ھیں ، وہ زیادہ تر ایشیائی ہاتھی سے تعلق رکھتے ھیں ۔ اس کے برعکس اسکے آفریقائی رشتہ داروں میں یہ ذہانت ، زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ۔

ہاتھی کے بعد میموں (یعنی انسان نما بندر) کی فہم و ذہانت کا ذکر کیا جاتا ھے ۔ اسکی ذہانت کے متعلق جرمنی کے ایک عالم ، ڈاکٹر کو ہٹلر نے « میموں کی ذہانت » (دی مینٹیلٹی آف ایپس) کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ھے جس سے ان بندروں کی ذہانت کا ایک حد تک اندازہ ہوسکتا ھے (ملاحظہ ہو چھٹا باب ، حیوانوں کی ذہانت) ذہانت کے لحاظ سے پرندوں میں طوطے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ھے جو سنی سنائی اور رٹی رٹائی باتوں کو بڑی عمدگی سے دھراتا ھے ۔ اسکے بعد بلی پالنے والوں نے بلی کی ذہانت کو بہت سراہا ھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بلی بھی ایک ذہین حیوان ھے اور اسکی تربیت بھی آسانی سے کی جاسکتی ھے اور اس سے مفید کام لیا جاسکتا ھے ۔

ذہانت کے اعتبار سے ہم چیونٹی کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتے ، جو کہ جماعتیں اور بستیاں بنا کر رہتی ھے ، اور ہر لحاظ سے ایک مہذب حیوان ھے ۔ لیکن ٹھیک ٹھیک یہ بتانا دشوار ھے کہ کس گروہ اور قبیلہ کے حیوانوں میں کتنی زیادہ ذہانت ہوتی ھے اور وہ کس قدر زیادہ تربیت حاصل کرسکتے ھیں ۔ کیونکہ ان سب کو ایک ہی درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا ۔ چنانچہ حیوانوں کی بعض

جماعتیں۔ مثلاً کتے، سیکڑوں برس سے، انسان سے تربیت حاصل کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن بعض قسم کے حیوانات، مثلاً ہاتھی یا چیتا وغیرہ، جنگلوں سے پکڑکر لائے گئے، جہاں وہ بالکل آزاد تھے اور پھر ان کو تربیت دی گئی۔ کیونکہ انسان نے انکی فطرت میں تربیت پانے کی صلاحیت کا اندازہ لگایا اسکے علاوہ بہت سے حیوانات ایسے بھی ہیں جنکی طرف انسان نے کوئی توجہ نہیں کی۔

شیر کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو پالتو نہیں بنایا جاسکتا۔ ہم اسکو ایک خونخوار اور ظالم حیوان سمجھتے ہیں، لیکن انسان نے شیر کو بھی پالتو بنا کر اسے تربیت دی ہے اور وہ اس سے طرح طرح کے کرتب کراتا ہے، چنانچہ سرکس میں اسکی تربیت کی بہترین مثالیں مل سکتی ہیں۔

شیر کے بچے کی تربیت کا ایک دلچسپ واقعہ۔ مشہور مصنف اینڈریولینگ نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ « جہاز کے سفر کے دوران میں جہاز کے ایک بڑھئی نے شیر کے ایک بچے سے دوستی پیدا کرلی، جو اسکے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ شیر کا بچہ لوہے کے ایک پنجرے میں مقید انگلستان لیجایا جا رہا تھا۔ بڑھئی نے شیر کے بچے کی تربیت بڑی محنت اور مشقت سے کی اور شیر کا بچہ بھی اُنس و محبت سے پیش آتا رہا لیکن جب جہاز انگلستان پہنچا تو بڑھئی اور شیر کا بچہ دونوں الگ ہوگئے۔ لیکن دو سال کے بعد جب بڑھئی شیر کے بچے کو دیکھنے گیا تو بچے نے اسے پہچان لیا۔

نگہبان کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ جب بڑھئی شیر کے پنجرے کے اندر پہنچا تو شیر کا بچہ اس سے ملکر بہت خوش ہوا۔ شیر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بہت جلد پریشان اور مبہوت ہو جاتا ہے لیکن اسکے خوف اور پریشانی کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ اسکے ساتھ نرمی اور ہمدردی کا سلوک کیا جائے۔

ڈاکٹر کوبر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ، ایک شخص نے ایک شیر کو بڑی محبت سے، بہت اچھی تربیت دی تھی اور وہ اسکو اپنے ساتھ ساتھ ہر جگہ لئے لئے پھرتا تھا۔ اپنے شہر میں تو وہ اس شیر کو ہوٹلوں کے اندر بھی لیجاتا تھا، جہاں جانیکے بعد وہ کتے کی مانند اسکے میز کے نیچے جاکر بیٹھ جاتا تھا، جب اسکی تصویر لیجاتی تو فوٹوگرافر کو پنجرے کے سامنے کھڑا ہونے کی ضرورت نہ پڑتی تھی، بلکہ شیر اپنے آقا کے ساتھ فوٹو اسٹیڈیو میں ایک انسان کے مانند بڑی خاموشی سے اپنا فوٹو کھنچواتا تھا۔

لکڑ بگھا (یا، چرخ) (شکل ۔ ۲۵) جسے تسمانیہ کا شیر بھی کہتے ہیں، اپنے ھیبتناک طرز عمل کیلئے بہت مشہور ہے، لیکن اسکی بھی تربیت کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ اسکا تربیت کنندہ، اسکے مزاج سے واقف ہو۔ چرخ کے متعلق بعض یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انکو تربیت دیکر ان سے محافظت کا کام اسی طرح لیا جاتا ہے جس طرح کتوں سے۔

شکل - ۲۵ لکڑ بگھا (چرخ یا تڑس)

بھیڑیا ایک مکار اور دغاباز جانور سمجھا جاتا ھے۔ اسکے ساتھ انسان کوکوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور اسکا نام ہمیشہ دھوکہ اور برائی کے اظہار میں استعمال کیا جاتا ھے، پھر بھی اسکی تربیت کیجاسکتی ھے۔ مشہور فرانسیسی ماہر حیاتیات (بیالوجسٹ) کیونے نے ایک بھیڑیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ھے کہ وہ اس قدر پالتو اور مانوس ہوگیا تھا جیسے کتا۔ جب وہ اپنے آقا سے جدائی پر مجبور ہوتا، کیونکہ اس کا آقا اپنے کاروبار کے سلسلہ میں اکثر باھر رہا کرتا، تو یہ بھیڑیا گھر کی حفاظت کرتا اور آقا کی واپسی پر، اسی طرح خوشی کا اظہار کرتا تھا جیسے کتا کرتا ھے۔ یہ بات سن کر اکثر لوگ حیران ہوں گے، لیکن اس میں حیرانی اور تعجب کی کوئی بات نہیں ھے، کیونکہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ بھیڑیا کتے کی جماعت اور قبیلہ سے بہت قریبی تعلق رکھتا ھے اور اس لئے کتے کی بعض خاصیتوں کا بھیڑئے میں موجود ہونا، ناممکن نہیں۔

ریچھ کی تربیت کے متعلق عوام کی رائے میں اختلاف ھے۔ قطب شمالی کے ریچھ بہت ذہین، کھوج لگانے والے، خوش باش اور اُنس کرنے والے ہوتے ھیں۔ ان کو بخوبی تربیت دی جاسکتی ھے۔ چنانچہ بیسیوں ریچھ اس طرح تربیت یافتہ دیکھے جاسکتے ھیں۔ لیکن لندن کے باغ حیوانیات (یعنی چڑیا گھر) کے نگران کہتے ھیں کہ یہ زیادہ بھروسہ کے قابل نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر کوبر کا بھی یہی خیال ھے کہ ریچھ کو بڑی مشکل سے تربیت دیجاسکتی ھے، کیونکہ وہ اپنے اصلی جذبات اور احساسات

گو حد درجہ لاپروائی کی آڑ میں چھپائے رکھتے ہیں۔ ہندوستان اور ایشیاء میں، عام طور پر، ریچھ کو بہت آسانی سے تربیت دی جا سکتی ہے۔ ان کو کشتی لڑنا، ناچنا اور طرح طرح کے کرتب کرنا سکھایا جاتا ہے۔ ریچھ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ بلی اور کتے سے بہت جلد مانوس ہوجاتے ہیں۔

بلی کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ چور اور ڈاکو ہے۔ اسکا اُنس اور پیار محض کھانے کی حد تک ہے اور یہ کہ وہ کسی آدمی سے مانوس ہونے کی بجائے کسی مکان سے مانوس ہوجاتی ہے۔ بلی کی ایک عادت یہ ہوتی ہے کہ، جب صاحب خانہ کے مکان تبدیل کردینے کے بعد بلی اس کے ساتھ نہیں جاتی تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب خانہ کے سلوک سے مطمئین نہیں تھی، اور یہ کہ وہ اس میں تبدیلی چاہتی ہے۔ یعنی اس مکان میں نئے آنے والوں کے ساتھ رہے۔ لیکن جب ایک بلی گھر کے ایک یا کئی آدمیوں اور بچوں سے اُنس کرنے لگتی ہے تو وہ جہاں کہیں بھی جائیں، ان کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔

بل ڈاگ، بڑا ہی خوفناک، بے رحم اور بے مروت کتا ہوتا ہے، جس میں نرمی اور اُنس نام کو نہیں پایا جاتا۔ اسکی بجائے اس کی فطرت میں بے چینی، لڑائی اور شرارت کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، لیکن اگر اس کی تربیت مناسب طور پر کی جائے تو یہ بڑا وفادار، ذہین اور فرمانبردار ثابت ہوتا ہے۔ اس کی محبت اپنے آقا

گے لئے ایک مستقل چیز ہوتی ھے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی
نگہبانی کی خصلت ھے۔ اس کے علاوہ اکثر مثالیں ایسی ملتی ھیں
جن سے یہ ثابت ہوتا ھے کہ اس نے چھوٹے بچوں کی، جو
اسکی نگرانی میں رکھے گئے تھے، ایک نرس کے مانند نہایت اچھی
نگہداشت کی۔ چنانچہ کتوں میں صرف یہی ایک ایسا کتا ھے جسکو
چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے چھوڑا جا سکتا ھے اور
اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عموماً بچے ان
جانوروں کو، جن کے ساتھ وہ کھیلا کرتے ھیں، ستاتے ھیں۔ مگر
بلڈاگ ان کی چھیڑ چھاڑ سے ناراض اور غصہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی
فرمانبرداری اور ضبط قائم رکھنے میں بڑی شہرت رکھتا ھے۔ ایک
بلڈاگ کے متعلق بیان کیا جاتا ھے کہ ایک مرتبہ اس نے ایک ڈوبتے
ہوئے جہاز کے تمام ملاحوں کی جان بچائی تھی۔ اس کی کمر میں ایک
رسی باندھی گئی تھی، اور اس طرح وہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر کنارے
پہنچا دیتا تھا، گو یہ دوسرے کتوں کے مقابلہ میں پیراکی میں زیادہ
ماہر نہیں ہوتا۔

گھر کی نگہبانی کتوں کے مقابلہ میں، دوسرے حیوان زیادہ
مستعدی سے کرتے ھیں۔ مسٹر واٹسن کا بیان ھے کہ جنوبی افریقہ کی
ایک وحشی قوم، جو ہاٹنٹاٹ کہلاتی ھے، بیلوں کو گھر اور گلوں کی
نگرانی کی تربیت دیتی تھی۔ ان کا یہ بھی بیان ھے کہ یہ حیوانات
اپنے مالک کے بڑے ہی فرمانبردار ہوتے تھے اور ان کے حکم اور

اشاروں کو خوب سمجھتے تھے اور اپنوں اور اجنبیوں میں بہت جلد فرق کرلیتے تھے اور جب کبھی چور یا لٹیرا آتا تو وہ اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے تھے۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہوگا کہ پرندے بہت جلد تربیت حاصل کرلیتے ھیں۔ طوطا اسکی ایک اچھی مثال ھے، قدیم زمانے میں باز کو بھی پرندوں کا شکار کرنے کی تربیت دی جاتی تھی، اور وہ اپنے آقا کے لئے پرندوں کا شکار کرتے تھے اور لا کر اپنے آقا کو دیتے تھے۔

حیوانات میں تربیت حاصل کرنیکی ایک حد ہوتی ھے۔ کیونکہ دیکھا گیا ھے کہ اکثر پرندے، بعض انسانوں کے مانند، صرف ایک خاص قسم کی تربیت حاصل کرسکتے ھیں۔ اسکے علاوہ کوئی دوسری تربیت پانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ڈاکٹر کوبر کا خیال ھے کہ کرتب کرنیوالے حیوانوں کو اس قسم کی تربیت دینا مناسب ھے جسکو حاصل کرنیکی صلاحیت ان میں فطری طور پر پائی جاتی ھے۔

تربیت کے فوائد زیادہ تر، وقت اور مستقل طور پر تربیت جاری رکھنے پر، منحصر ہوتے ھیں اور ان کے علاوہ تربیت دینے اور تربیت پانیوالے کے مزاج اور خصلتوں پر بھی۔ دونوں کو ضروری وقت دینا، اور محنت سے کام کرنا چاہئیے، اور ان دونوں میں باہمی

سمجھوتہ بھی ہونا ضروری ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ، دونوں آئندہ ایک دوسرے کے آقا اور خادم بننے والے ہوں۔

حیوانات کی تربیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ بعض نسلی خاصیتوں کی پیدائش کی خاطر راست طور پر حیوانوں کو تربیت دیجاتی ہے۔ مثلاً ہندوستانی ہاتھی کو لیجئے جو جنگلوں میں بار برداری کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان کو لکڑی چیرنا، ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانا اور پھر ان کو ڈھیروں میں جمع کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ کام آدمی کی نگرانی میں انجام پاتا ہے، لیکن سارے کا سارا کام ہاتھی ہی انجام دیتا ہے۔ ان میں سے بعض عمر رسیدہ اور تجربہ کار ہاتھی، نوجوان اور نو وارد ہاتھیوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں اور انہیں کام کرنیکے متعلق ہدایتیں بھی دیتے ہیں۔

حیوانات کو تربیت دینے والے میں مستقل مزاجی کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اسکا دشوار ترین کام یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو اس امر کی تلقین اور تربیت کرے کہ وہ اپنے اوپر قابو رکھنے کی صلاحیت اور نفس کشی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرلیں، کیونکہ کھانے کی خواہش ایک حیوان کو بہت بے چین اور بے صبرا بنا دیتی ہے اور وہ بے قابو ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسکو اس بات کی تربیت دینی چاہئے کہ جب وہ کسی آدمی یا اپنے آقا کیلئے کھانے پینے کی چیزیں فراہم کر رہا ہو تو خود ہی ان کو ھضم نہ کرلے۔

چھٹے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ فرانس کے بعض دیہاتی کتے، بڑے مکار ہوتے اور بعض وقت شکار کو، جو وہ پکڑتے ہیں، جھاڑیوں میں چھپا دیتے ہیں۔ اسکے برعکس فرانس کا ایک اور کتا جو ٹرفل ہنٹنگ کہلاتا ہے، اس معاملہ میں بڑا ہی ضبط کا پابند اور ایماندار ہوتا اور سارے کا سارا شکار لاکر بلا پس و پیش آقا کے سامنے رکھدیتا ہے اور ذرا بھی نہیں چراتا۔

میمون میں تربیت پانے کی صلاحیت بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ جاوہ کا انسان نما بندر اورنگ اوٹن (شکل۔۲۳) میز اور کرسی پر بیٹھ کر کام کرنا آسانی سے سیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح دوسرا میمون جس کو چمپانزی کہتے ہیں تہذیب و تمدن کی خوبیوں سے بہت جلد فائدہ اٹھانا شروع کردیتا ہے وہ پکے ہوئے کھانے کے ذائقہ سے آشنا ہوجاتا ہے اور انسان کے مانند کھانے میں نمک، شکر وغیرہ استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح وہ عام انسانوں کی طرح چائے اور شراب وغیرہ بھی پیتا ہے (شکل۔۲٦) ان میمونوں کو گھر کے کاروبار کرنے کی اچھی تربیت دی جاتی ہے، جسے وہ بہت آسانی سے حاصل کرتے ہیں۔ مسٹر ہوزیو کا بیان ہے کہ، ایک مرتبہ جہاز میں سفر کرتے ہوئے انہوں نے ایک میمون کو دیکھا، جسکو باورچی کا کام سکھایا گیا تھا۔ اور وہ اس فن میں ایسا ماہر ہوگیا تھا کہ دوسروں کے لئے نمونہ کا کام دے سکتا تھا۔ اسی طرح مسٹر بیرڈ نے ایک بوزنہ کا ذکر کیا ہے جو چکما کہلاتا ہے۔ یہ بوزنہ گھوڑے

کے گلوں کو ہکایا کرتا تھا۔ بہت قدیم مصریوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مختلف کاموں میں انہیں، انسان نما بندروں، سے مختلف کاریگروں کی طرح کام لیتے تھے۔ انسان کے، اس تعلیم اور تربیت دینے کے نتائج، یہ ہوتے ہیں کہ حیوانوں میں اچھی خصلتیں اور اچھا برتاؤ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً خاموش رہنا، آقا کی اطاعت، جذبات پر قابو رکھنا۔ اپنی خواہش کو مارنا۔ خودداری اور ایمانداری وغیرہ جس کی وجہ سے ان کے ذمہ ایسے کام کئے جاسکتے ہیں جن کی نگرانی کیلئے آقا کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی۔ عادت پڑجانے کے بعد حیوانوں کو اپنے روزمرہ کاموں میں خوشی محسوس ہونے لگتی ہے اور وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرنے لگتے ہیں جس کو پہلے وہ آقا کے حکم سے کرتے تھے۔ اور جیسے جیسے ان کی ذہانت بڑھتی جاتی ہے، وہ ضرورت پڑنے پر اپنی ذمہ داری سے بھی کام انجام دینے لگتے ہیں۔ اور یہی دراصل حیوانی تربیت کا کمال ہے۔

تربیت کے سلسلے میں حیوانوں کی عادت کا مطالعہ بھی بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جو ہاتھی لڑنے کیلئے سدھائے جاتے ہیں، ان میں ضبط کی غیر معمولی اور حیرتناک خاصیت موجود ہوتی ہے۔ ہاتھیوں کی لڑائی، قدیم زمانے میں بادشاہوں اور راجاؤں کی تفریح اور کھیل تماشوں کا ایک ضروری جز سمجھی جاتی تھی، اور آجکل بھی ہندوستان کی بعض ریاستوں میں ہاتھیوں کی لڑائی

نمائش کے طور پر ہوتی ھے ، لیکن یہ دیو پیکر حیوانات ، اسقدر اعلی تربیت حاصل کرتے ھیں ، اور اپنے مہاوت کی آواز پر اتنی سختی سے عمل کرتے ھیں کہ اگر انتہائی جوش اور شدت کی لڑائی میں بھی ان کے مہاوت ان کو لڑائی ختم کردینے کا اشارہ کریں تو وہ فوراً لڑائی ختم کردیتے ھیں ۔

ہاتھی میں ضبط کا احساس سب سے قوی ہوتا ھے ۔ جب کوئی ہاتھی ، بد مست ہو کر بھاگتا ھے اور اسکی وجہ سے بہت کچھ نقصانات بھی ہوتے ھیں ، تو اس صورت میں ہم دیکھتے ھیں کہ اس کا دیوانہ پن یا بدمستی اُس وقت شروع ہوتی ھے جبکہ اسکا اصل مہاوت موجود نہیں ہوتا ۔ لیکن جب اسکا اصلی مہاوت اسکے پاس آکر اسکو پکارتا ھے تو ہاتھی نہایت خاموشی سے اسکے پیچھے چلا جاتا ھے ۔ جب ہاتھی ایک مرتبہ اپنے میں ایسے ضبط کا احساس پیدا کرلیتا ھے تو پھر وہ اس احساس کو کبھی نہیں مٹاتا ۔ لارڈ میکالے ، اسکی اس خاصیت کے متعلق بیان کرتے ھیں کہ ایک مرتبہ ایک ہاتھی جنگل کی طرف بھاگ گیا تھا ۔ لیکن ۱۴ برس کے بعد وہی ہاتھی پھر پکڑ کر لایا گیا اور جب اُس نے اپنے پرانے مہاوت کو دیکھا تو اسکو پہچان لیا اور اس کے حکم کی تعمیل حسب سابق کرنے لگا ۔ اسکے حرکات و سکنات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کبھی باہر گیا ہی نہ ہو ۔

انسان کے ساتھ ساتھ رہنے سے حیوانوں میں بعض قوتیں نمایاں ہوجاتی ھیں جو جنگل میں رہنے کی صورت میں کبھی ظاہر

نہ ہوسکتی تھیں۔ صحیح قسم کی تربیت ، نہ صرف یہی کہ حیوانوں کی اخلاقی خاصیتوں کو اجاگر کرتی ، بلکہ ان کے اندر ایک نئی زندگی بھی پیدا کر دیتی ہے۔ ذہنی قابلیتوں کی اصلاح اور تربیت سے ایک حیوان ، اپنی جماعت کے دوسرے افراد سے ، ممتاز ہو جاتا ہے۔

ہم یہ پہلے بیان کرچکے ہیں کہ انسان نما بندروں کے علاوہ بعض دوسری قسم کے حیوانات بھی اجتماعی زندگی ، یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مل جلکر رہنا ، پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ جب پالتو بندر انسان کے ساتھ رہنا شروع کرتا ہے تو وہ اپنے لئے بھی وہی اصول زندگی اختیار کرنے لگتا ہے جو انسان کے لئے مخصوص ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان اصولوں کی تشریح اور توجیہہ نہایت نرمی اور ہمدردی کے ساتھ کی جائے۔ کیونکہ انسان اور حیوان میں اسی وقت رشتۂ اتحاد مضبوط ہو سکتا ہے جبکہ دونوں میں باہمی سمجھوتہ اور اعتماد ہو۔ اگر کوئی پالتو حیوان انسانی قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرتا ہوا پایا جاتا ہے تو تحقیقات کرنے پر یہ معلوم ہوگا کہ ان ضابطوں اور قاعدوں کی پابندی کرنے کی طرف کسی نے اسے ہمدردی سے توجہ دلانے کی کوشش نہیں کی ، اور اسکی فطرت کی آزادانہ روش کو مناسب اور موزوں تربیت سے نہیں بدلا گیا۔ جب حیوانوں کو پالتو بنایا جاتا ہے تو متعدد ، قابل لحاظ ، فعلیاتی (فزیالوجیکل) تبدیلیاں (یعنی ایسی تبدیلیاں جن کا تعلق اسکی

زندگی اور جسم کے روز مرہ کے افعال اور کاموں سے ہو) وقوع میں آتی ھیں اور بعض فطری خاصیتیں غائب ہو جاتی ھیں، اور ان کی جگہ نئی نئی خصلتیں اور عادتیں جنم لیتی ھیں۔ یہ ایک فطری اصول ھے، اور ہم یہی قانون قدرت انسانی زندگی میں بھی کارفرما دیکھتے ھیں۔ موجودہ دور کے مہذب انسانوں کو ذہانت اور سمجھ کے اعتبار سے قدیم زمانے کے باشندوں پر فوقیت حاصل ھے۔ لیکن ہم میں ان کے ہاتھوں کی سی چستی اور پھرتیلا پن، نظر کی تیزی اور باریک بینی، سونگھنے کی قوت (یعنی قوت شامہ) اور سننے کی صلاحیت (یعنی قوت سامعہ) موجود نہیں ہوتی جسمانی حیثیت سے موجود مہذب انسان، غیر مہذب، قدیم انسان کے مقابلے میں بہت کمزور نظر آتا ھے، اور گو پالتو کتوں کی قوت سماعت اور قوت بصارت انسان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ھے لیکن جب ان کا مقابلہ بھیڑیوں سے کیا جائے تو کتوں کی یہ قوتیں ان (یعنی بھیڑیوں) کے مقابلہ میں بہت کمزور محسوس ہوتی ھیں۔ اسکی وجہ یہ ھے کہ بھیڑئے کی سونگھنے اور سننے کی قوت ہی پر اسکی غذا کے حاصل ہونے کا انحصار ھے، اگر اسکی یہ دونوں قوتیں بیکار ہو جائیں تو پھر بھیڑیا فاقوں سے مر جائیگا۔

حیوان کو پالتو بنانا اور تربیت دینا دو الگ الگ باتیں ھیں تمام جانوروں کو پالتو بنایا جاسکتا ھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب کو کسی خاص قسم کی تربیت بھی دی جائے۔ پالتو بنانے میں

کچھ زیادہ محنت صرف نہیں ہوتی۔ لیکن « تربیت » ایک قسم کی تعلیم ہے، جس سے حیوانوں کو بعض خاص قسم کے کام کرنے کے قابل بنایا جاسکتا یا ان کے اندر بعض نئی خصلتیں پیدا کی جاسکتی ہیں، مثلاً کتے کو نگہبانی کرنیکی تربیت یا ہاتھی کو لکڑی چیرنے کی عادت۔ یہ دونوں مشکل کام ہیں، جن میں بہت محنت کی ضرورت ہے۔

اب ذرا زخمی حیوانوں کی حالت پر طبی نقطۂ نظر سے غور کیجئے۔ حیوانوں کی یہ جبلت (پیدائشی عادت) ہے کہ جب انکے جسم میں کوئی زخم آجاتا ہے تو وہ کسی تنہائی کے مقام پر چلے جاتے ہیں اور اپنے زخم کو چاٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ یا تو وہ تندرست ہو جاتے یا پھر مر جاتے ہیں۔ اب اگر کوئی ہمدرد انسان اس حیوان کے زخم کو ہمدردی کے طور پر دیکھنے جاتا ہے تو وہ حیوان بھاگنے کی کوشش کرتا ہے یا اس پر حملہ کرتا ہے۔ یہ فطری خاصیت انسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ زخمی انسان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے زخم کو دوسروں سے چھپائے، کیونکہ جب کوئی شخص زخم کو ہاتھ لگاتا ہے تو زخمی کی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان کی قوت استدلال اس درجہ ترقی پاچکی ہے کہ مریض اپنی تکلیف پر حتی الامکان قابو حاصل کر لیتا ہے۔

چنانچہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک زخمی حیوان اپنے ہمدرد کے، اظہار ہمدردی پر، ساکت اور خاموش رہتا ہے اور

اپنے زخموں کا علاج کئے جانے پر ناراضگی اور غصہ کا اظہار نہیں کرتا ، تو اسکے معنے یہ ہیں کہ اسکو پالتو بنانے کی وجہ سے اس میں اپنی تکلیف کو ضبط کرنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے ۔

بلی دوسرے حیوانوں کے مقابلہ میں زیادہ پالتو نہیں سمجھی جاتی ، خاص طور پر اس لئے کہ وہ زیادہ تر اپنی ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے گھر کے باہر پھرا کرتی ہے ۔ لیکن میں نے ایک بلی کو دیکھا ہے وہ ایک اجنبی آدمی سے اپنے زخم پر متواتر دو ہفتوں تک پٹیاں بندھواتی رہی ، یہاں تک کہ اس کا زخم اچھا ہو گیا ۔ اس دوران میں اس نے کبھی اپنے ہمدرد ، علاج کرنے والے پر ، تکلیف کی وجہ سے حملہ نہیں کیا ۔

اسکے برعکس روم کے باغ حیوانات (یعنی چڑیا گھر) کے ایک ایک آفریقی ہاتھی کے متعلق ، جسکا نام « ٹوٹو » تھا ، بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سنہ ۱۹۲۱ء میں ایک ڈاکٹر کو جو اسکے ایک پھوڑے کا آپریشن کر رہا تھا جان سے مار ڈالا ۔ اس سے پہلے اسی ڈاکٹر نے (جسکا نام کینیزا تھا) جو کہ حیوانوں کا علاج عام طور پر نہ کرتا تھا ، ایک موقع پر جاوا کے میمون ، اورنگ اوٹن کی مادہ کے ایک پھوڑے کا آپریشن کیا تھا ، جو بڑا کامیاب ثابت ہوا تھا ۔ اس ذہین میمون نے محسوس کیا کہ اسکو اس آپریشن سے جو تکلیف دیگئی ہے وہ خود اسکے آرام کی خاطر ہے اور اور اس لئے اس نے ذرا بھی غصہ اور ناراضگی کا اظہار نہیں کیا ۔

ڈاکٹر نے اسی ذہانت کی توقع ہاتھی سے بھی کی تھی، لیکن اسکو اپنی جان ہی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہاں ہم پالتو بنانے اور تربیت دینے کے فرق کو محسوس کرسکتے ہیں۔ ہاتھی کو پنجرے کے اندر رکھ کر صرف پالتو بنایا گیا تھا۔ لیکن جاوا کے بندر اورنگ اوٹن کو "تربیت" دی گئی تھی، جس کی وجہ سے اس نے اپنی تکلیف پر قابو پالیا۔

جب حیوانوں کو تربیت، نرمی اور پیار کے بجائے، سختی، دھمکی اور سزا کے ساتھ دی جاتی ہے تو حیوان مطیع تو ضرور ہوجاتے ہیں، لیکن ان کی اطاعت عارضی، ناقابل اعتبار اور نہایت مختصر ہوتی ہے۔ بڑے اور طاقتور ببر اور شیر جو سختی کے ساتھ مطیع اور فرمانبردار بنائے جاتے ہیں کبھی بھروسہ کے قابل نہیں ہوسکتے۔

قدیم زمانے میں حیوانوں کو پالتو بنانے اور تربیت دینے میں بڑی بے رحمی اور سختی سے کام لیا جاتا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر تربیت دینے والوں کی جانیں بھی ضائع ہوجاتی تھیں۔ کیونکہ حیوانات جو کہ بظاہر سختی اور سزا پاکر اطاعت کا اظہار کرتے تھے، تاک میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ اکثر سرکسوں میں شیر اور ببر اپنے تربیت دینے والوں کو زخمی کردیتے اور بعض صورتوں میں ان کو مار بھی ڈالتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں قدیم سختی اور بے رحمی کو ترک کردیا گیا ہے اور سرکس کیلئے حیوانوں کو بڑی نرمی اور محبت سے کرتب سکھائے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ

موجودہ زمانے کے تربیت دینے والے اس قدر ہوشیار ہوتے ہیں کہ وہ حیوانوں کو نقصان پہنچانے کا موقع ہی نہیں دیتے ۔

تربیت اور تعلیم سے ، ہوشیار ، ذہین اور ناسمجھ ، حیوانوں میں فرق آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات « تربیت » سے کچھ نہیں سیکھتے اسکے بر عکس بعض حیوانات تربیت سے فائدہ اٹھا کر اپنی ذہانت سے کسی ایک راستہ پر ترقی کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر کو ہیلر نے اپنی کتاب میموں کی ذہانت میں اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ حیوانات ایک دوسرے میں ان کی ناکامیوں کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اور وہ اتنے ہی تیز ہوتے ہیں جتنے بچے ، اور تربیت دینے والے مین اگر کوئی خامی دیکھتے ہیں تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ اس لئے « استاد » یا تربیت کنندہ کا انتخاب بہت غور اور فکر کے بعد کرنا چاہئے ۔

تربیت دینے والے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں باریک بینی اور تیز نظر موجود ہو ، جو کہ حیوانوں کی دماغی صلاحیتوں اور اخلاقی خصلتوں کو پہچان سکے ۔ اس کو ماہر نفسیات (یا سائیکالوجسٹ) بھی ہونا چاہئے ۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی تربیت سے مختلف جماعتوں کے حیوانوں سے یکساں اور مفید نتائج برآمد نہیں ہوسکتے ۔ اس کے علاوہ ہر گروہ کے افراد کی نفسیات (سائیکالوجی) جداگانہ ہوتی ہے ۔

تربیت کا سب سے اہم عنصر حیوانوں کی ہمت افزائی کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ہمت بڑھانے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ ایک پیار کی نظر۔ چند اُنس بھرے الفاظ۔ جسم کو تھپ تھپانا، منہ پر ہاتھ پھیرنا بعض وقت جادو کا کام کر جاتا ہے اور حیوانات مشکل سے مشکل کام اور سخت سے سخت محنت کو بھی بڑی خوشی اور جوش سے کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حیوانوں کی صحیح تربیت سے انسان کو بے شمار فائدے پہنچ سکتے ہیں۔

نواں باب

حیوانات اپنی حفاظت کس طرح کرتے ہیں؟

ہتیار، حفاظت کے لئے سب سے ضروری چیزیں ہیں یہ مختلف قسم، مختلف بناوٹ اور مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ لفظ «ہتیار» بہت وسیع معنی رکھتا ہے، جس میں ہر قسم کے مصنوعی اور قدرتی ہتیار شامل ہیں، خواہ ان کو بچاؤ کے لئے استعمال کیا جائے یا دشمنوں پر حملہ کرنے میں۔ اگر انسان کے پاس اپنی حفاظت اور حملہ کرنے کے لئے تلوار، بندوق، توپ، مشین گن، ایٹم بم وغیرہ ہیں، تو دوسری طرف قدرت نے حیوانوں کو بھی حفاظت اور حملہ کے لئے ہتیار عطاء کئے ہیں۔ اور ان کا استعمال بھی الگ الگ طریقہ سے ہوتا ہے۔ آپ اپنی روزانہ زندگی میں جن حیوانوں کو دیکھتے ہیں انہیں سے شروع کیجئے۔ مثلاً بلی کے پنجے، کتے کے دانت، مویشیوں کے سینگ، گھوڑے یا خچر کے کھر، پرندوں کی چونچ، اوو مچھلیوں کے کانٹے وغیرہ۔ ہاتھی کے پاس سونڈ ہے اس کے علاوہ وہ اپنے دشمنوں کو ٹانگوں سے کچل کر مار ڈالتا ہے۔ گھڑیال اور مگر اپنی دم کو تازیانہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور جو حیوانات بہت چھوٹے، بے بس اور مجبور ہوتے ہیں، جن کو انسان انگلیوں سے مسل کر ختم کرسکتا ہے، اور جن کو دوسرے بڑے

حیوانات آسانی سے شکار کر سکتے ہیں ، وہ بھی حفاظت اور حملہ کا کوئی نہ کوئی ہتیار ضرور رکھتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھیوں اور زنبور (بھڑ) کے علاوہ بچھو میں ڈنک پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کسی برقی مچھلی (شکل ۔ ۸) کو چھوکر دیکھیں تو آپ کو ایک برقی جھٹکا محسوس ہوگا ، کیونکہ اس مچھلی کے جسم میں برقی اعضاء موجود ہوتے ہیں جو حملہ کرنے کے خاص اعضاء ہیں۔

بہت سے حیوانات ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے کوئی خاص ہتیار نہیں رکھتے ، اور اس لئے ان کو دشمن سے بچنے کے لئے اپنے اندر ، ارد گرد کے حالات (یعنی ماحول) کی مناسبت پیدا کرنی پڑتی ہے ، تاکہ وہ اس خاص ماحول میں رہ کر اس کے ہم رنگ ہوجائیں ، اور ان کے دشمن ، ماحول اور حیوان کے درمیان فرق نہ کرسکیں۔ اس مقصد کے لئے عام طور پر حیوان کا « رنگ » ان کے لئے بہت کارآمد ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جب ہرنوں کا گلہ کسی سبزہ زار یا میدان میں خاموش کھڑا ہو ، تو بہت ممکن ہے کہ انسان ان کی موجودگی کو محسوس کئے بغیر ان کے قریب سے گزر جائے۔ کیونکہ ان کا رنگ درخت کے خشک پتوں اور سوکھی جھاڑیوں سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ اسی طرح جب خرگوش ، میدانوں میں چرتے ہیں تو وہ مٹی کے ڈیلے یا ڈھیر کی مانند نظر آتے ہیں اور جب تک وہ بے حس و حرکت رہیں ، نظر دہوکہ کھا سکتی ہے۔ لیکن جب وہ حرکت کریں تو

ان کی موجودگی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ماحول کے رنگ کی مطابقت اور کامل خاموشی اور سکوت، یہی دونوں وہ ضروری چیزیں ہیں جو حفاظت اور بچاؤ میں مدد دیتی ہیں۔

جو حیوان خطروں میں گھر جاتے ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ایسی حالت میں بالکل ساکت اور بے حس و حرکت ہی رہنا ان کی حفاظت اور بچاؤ کا مفید ترین طریقہ ہوسکتا ہے۔ بعض قسم کی مکڑیوں کو اگر چھوا جائے تو وہ بھاگنے کی بجائے اپنی ٹانگوں کو جسم کے قریب سکیڑ لیتی اور بالکل ساکت ہوجاتی ہیں۔ یہی حالت بیر بہوٹی (شکل۔ ۲۷ الف) کی بھی ہے، اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ بالکل بے جان ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس لئے چھوٹے سے چھوٹا اور بے حس و حرکت بنانے کی سعی کرتی ہیں کہ دشمنوں کی نظروں سے بچ سکیں۔ چنانچہ «مردہ» بن جانے کا بہانہ کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جو چڑیاں زندہ مکڑیاں کھاتی ہیں وہ ان کو مرا ہوا دیکھ کر چھوڑ دیتی ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے گوشت خور حیوانات، مردہ جانور کو کھانا پسند نہیں کرتے۔

چڑیاں، اس قدر تیز، چست و چلاک اور پھرتیلی ہوتی اور اتنی تیزی سے اُڑ سکتی ہیں کہ اگر وہ ہوشیار نہ بھی رہیں تو بھی ان کی زندگی زیادہ خطرہ میں نہیں ہوتی۔ لیکن انکے انڈے اُڑ نہیں سکتے، اور اس سے زیادہ مجبوری اور بے بسی کی حالت میں ان کے بچے، پیدائش کے بعد کچھ عرصہ تک رہتے
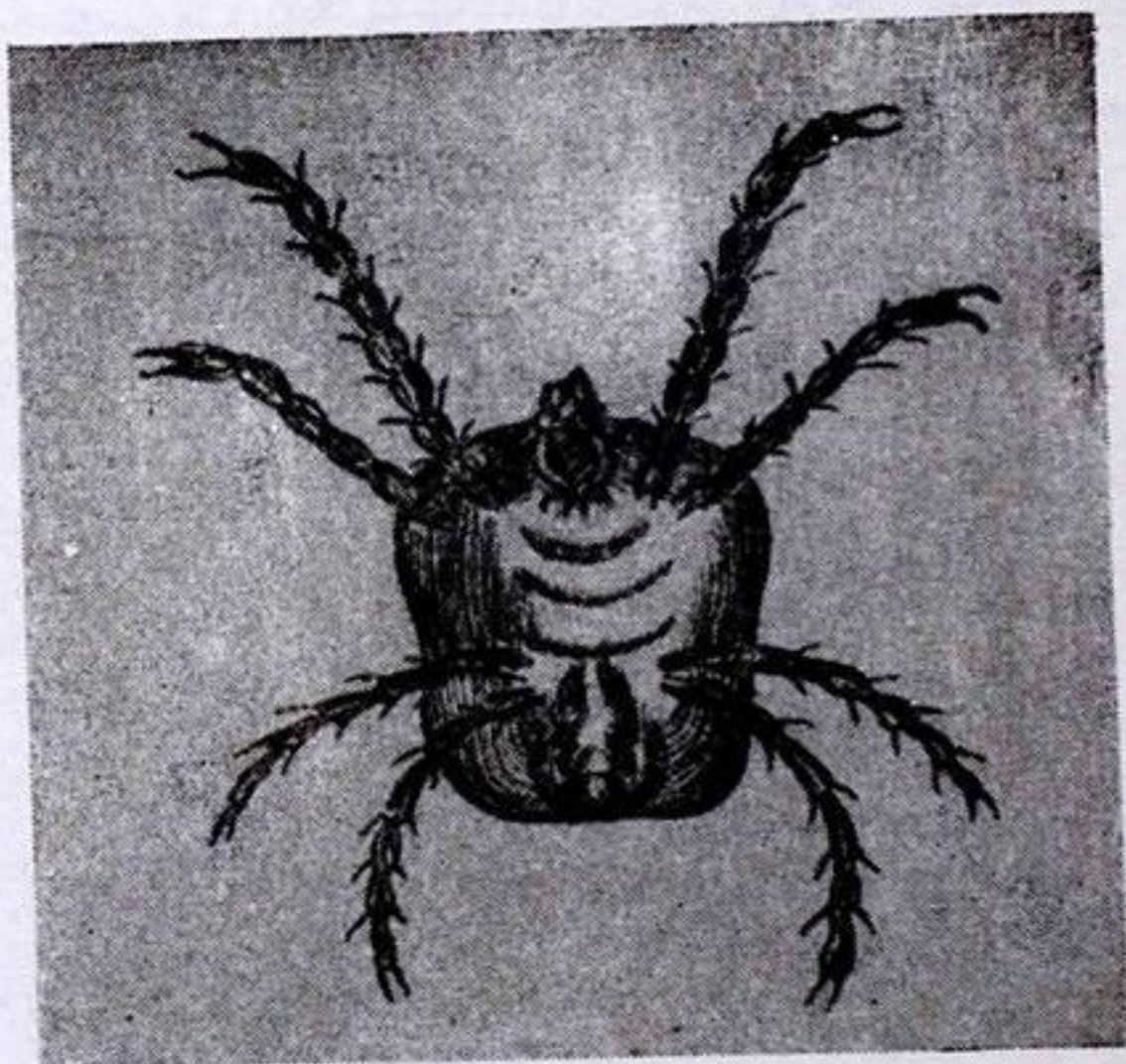
شکل ۲۷ (الف) بسیر بوٹی

ہیں - اس لئے پرندے ، انڈوں کو ، نہ صرف حرارت پہنچانے کیلئے ، بلکہ دشمنوں سے حفاظت کرنے کیلئے بھی ، چھپا کر بیٹھتے ہیں - عموماً مادہ ، انڈوں پر ، بہ مقابلہ نر کے ، زیادہ بیٹھتی اور سیتی ہے اور اس لئے اسکا رنگ نر کے مقابلہ میں ، عام طور پر ، بھدا اور ماحول سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے - پرندوں کے وہ بچے بھی جو پروں کے ساتھ انڈوں سے باہر نکلتے ہیں ، اور جنکے جسم مضبوط ہوتے ہیں ، اور جو دوڑ اور چل کر بھی بڑی حد تک اپنی غذا حاصل کر سکتے ہیں ، خطروں سے محفوظ نہیں ہوتے - کیونکہ شکرے انکی تاک میں لگے رہتے ہیں - جب تیتر کی مادہ کسی شکرے کو دیکھتی ہے تو اپنے بچوں کو اس خطرے سے آگاہ کر دیتی ہے ، جسکے فوراً ہی بعد سب بچے دبک کر ساکت اور بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں اور جب تک « ماں » خطرہ گذر جانے سے آگاہ نہ کرے وہ حرکت نہیں کرتے - شکرے ہمیشہ جاندار اور متحرک چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن دور سے وہ کسی چیز کو واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے ، اور اگر وہ ان ساکت ، تیتر کے ، بچوں کو دیکھ لے تو انہیں پتھر کے ٹکڑے یا سوکھی گھاس کے ڈھیر سمجھتا ہے - اس لئے وہ انکا خیال کئے بغیر ان کے قریب سے گذر جاتا ہے - ایسے پرندوں کو زمین سے مشابہت پیدا کرنے میں ، ان کے پروں پر پڑی ہوئی دھاریوں اور لکیروں سے بڑی مدد ملتی ہے - گھاس اور زمین ، جہاں وہ رہتے

ھیں ، اس طرح کچھ خا کی اور کچھ سبز ہو تی ھے اور ایسے ماحول میں ان دھاری دار پرندوں کو دیکھنا اور بھی مشکل ہو جاتا ھے ۔ لیکن اگر ان کا رنگ سارے کا سارا سبز یا بھورا ہوتا ، تو ان کو آسانی سے پہچان لیا جا سکتا تھا ۔

صرف ہڈی دار (یا فقری حیوانات) ہی اس قسم ، کی رنگ کی مطابقت اپنے جسم میں پیدا کر کے دشمنوں سے جان نہیں بچاتے بلکہ بعض بے ہڈی کے (یا غیر فقری) حیوانات بھی اس گر کو استعمال کرتے ھیں ۔ ان کی ایک اچھی مثال کمبل کا کیڑا ھے ۔ (شکل ۲۷ ۔ ب) یہ کیڑے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہو گا ، بڑے بے بس اور مجبور ہوتے ھیں اور پرندے ان کی تلاش میں بہت زیادہ رہا کرتے ھیں ۔ یہ بیچارے نہ تو اُڑ سکتے ھیں نہ تیز دوڑ سکتے ھیں ۔ اور اسکے علاوہ ان کے جسم کی بناوٹ نرم و نازک ہوتی ھے ، اور یہ زیادہ دیکھ بھی نہیں سکتے ۔ وہ صرف پتے کھانے کیلئے باہر نکلتے ھیں اور اس طرح اپنے دشمنوں کی نظروں میں نمایاں ہو جاتے ھیں ۔ اس میں شک نہیں کہ انکی رفتار اتنی سست ہوتی ھے کہ پرندے ان کو آسانی سے دیکھ نہیں سکتے لیکن عام طور پر ان کا بہروپ ھے جو ان کی حفاظت میں بہت زیادہ مدد دیتا ھے ۔ بعض کمبل کے کیڑے سوکھی ہوئی درخت کی ٹہنی کی شکل اختیار کر لیتے ھیں اور اس طرح شاخ اور کمبل کے کیڑوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ھے (شکل ۲۷ ۔ ب) ۔ پرندے اس

شکل - ۲۹ چوب کیڑا

حالت میں دھوکہ کھا جاتے اور ان کو سوکھی ٹہنی سمجھ کر چھوڑ دیتے ھیں - بعض کیڑے اپنی جلد میں پتوں کا سا سبز رنگ پیدا کر لیتے ھیں - چنانچہ ایسا ہی ایک کیڑا پات کیڑا (یعنی برگ حشرہ) کہلاتا ھے - (شکل ۲۸) اسکے پنکھوں اور پروں میں پتوں کی رگوں کی طرح دھاریاں بھی ہوتی ھیں اور اس لئے پتے اور اس کیڑے میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ھے - اس کی ٹانگوں میں کونپل کی مانند چھوٹے حصے ہوتے ھیں - یہ تیز اُڑ نہیں سکتا اور اپنی حفاظت پوری طرح اپنے بھروپ سے کرتا ھے - اسکے دشمن پتا سمجھ کر اسکو نظر انداز کر دیتے ھیں ، اس قسم کا ایک دوسرا کیڑا ، چوب کیڑا (شکل - ۲۹) کہلاتا ھے - یہ زیادہ حرکت نہیں کرتا اور عام طور پر ایک جگہ ٹہرا رہتا ھے - یہ درختوں کی سوکھی ، باریک اور پتلی شاخوں کے مانند ہوتا ھے ، لہذا اسکے دشمن اسکو بڑی آسانی سے نظر انداز کر دیتے ھیں -

کیڑوں (یعنی حشرات) میں تتلیاں سب سے زیادہ مختلف رنگ کی ہوتی ھیں اور ان میں ماحول کی مناسبت بھی سب سے زیادہ پائی جاتی ھے - چنانچہ ایک تتلی ، جسکو کیلما تتلی کہا جاتا ھے ، اپنے پنکھوں میں سوکھے پتے کا سا رنگ پیدا کرلیتی ھے - یہ تتلی جب درخت پر بیٹھتی ھے تو اسکے دونوں پنکھ مل جاتے ھیں اور اس طرح وہ پتوں کی مانند نظر آتے ھیں - اسی

طرح سمندر کی بعض مچھلیاں ہوتی ہیں جو تیرتے وقت سوکھے پتوں کی مانند نظر آتی ہیں۔

بعض حیوانوں میں زرہ کی مانند ایسے اعضا ہوتے ہیں جو ان کی محافظت میں کام آتے ہیں۔ وہ حملہ کرنے کے لئے مفید نہیں ہوتے۔ یہ زرہ بعض وقت بالکل سادہ ہوتی ہے، مثلاً کچھوے کی ڈھال یا پشت پر کی تختی، یا ایک اور حیوان آرماڈلو (مور خور، حیوان جو امریکہ میں پایا جاتا ہے) کی پشت کے چھلکے، یا پھر گھونگھے کا خول، بعض حیوانوں کے جسم میں شوکے یا کانٹے جیسی ساختیں پائی جاتی ہیں جیسے سیہہ یا سائی کے کانٹے (شکل۔۳۰) سینگ دار مینڈک، مچھلیاں وغیرہ بعض حیوانوں کا پورا جسم صرف شوکوں (کانٹے جیسی ساخت) سے ڈھکا ہوتا ہے۔ مثلاً سمندری خارپشت (سی ارچن) (شکل۔ ۳۱) ان شوکوں کا حملہ اس وقت بہت خطرناک ہوتا ہے جب ان میں زہر بھرا ہوا ہو، مثلاً اکثر بال دار کمبل کے کیڑے۔

جنوبی امریکہ کا ایک اونٹ، جسکو لاما کہا جاتا ہے، غصہ کے وقت ایک تکلیف دہ، تھوک منہ میں سے پھینکتا ہے۔ اسی طرح ایک قسم کا بھونرا جسکو «بمبار دنے بھونرا» کہا جاتا ہے، ایک ایسا عرق خارج کرتا ہے جو گیس بن جاتا ہے، اور جس سے دشمن پریشان ہوکر بھاگ جاتے ہیں۔

ایک اور کیڑا ، جس کو لعابی کیڑا کہتے ہیں ، اور جو سبزہ زاروں میں گھاس کے تنوں سے عرق چوس کر زندہ رہتا ہے ، ایک قسم کا چیپچپا رس خارج کرتا ہے ، جس میں ہوا کے بلبلے ہوتے ہیں اور جو انسان کے تھوک کے مانند نظر آتا ہے ۔ یہ اسکے جسم کے چاروں طرف لپٹ جاتا ہے اور ایک غلاف سا تیار کرلیتا ہے ، اور اس طرح بلبلوں کے گھر میں ، امن و سکون سے بسر کرتا ہے ۔ اور جب تک یہ عرق اچھی حالت میں رہے ، یہ بڑا خوش رہتا ہے اور اسے دشمن کا کوئی خطرہ نہیں رہتا ۔

بعض دوسرے حیوانات میں زرہ موجود نہیں ہوتی ۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے کوئی چیز تیار کرلیتے ہیں ۔ جس طرح گھونگھے اور سیپیوں کے خول وغیرہ ۔

دسواں باب

حیوانوں کی مامتا

پرندوں اور خصوصاً چوپایوں میں، ماں کی مامتا، ایک عجیب قوت ہوتی ھے جو بچوں کی حفاظت کے لئے بعض کمزور اور ڈرپوک حیوانوں کو بھی بڑے بے جگرانہ کام کرنے پر آمادہ کردیتی ھے۔ چنانچہ پروفیسر فرانسس پٹ کا بیان ھےکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک خرگوش کو اپنے خاندان اور بچوں کی حفاظت کی خاطر ایک قسم کی جنگلی بلی، اسٹوٹ، سے لڑتے اور مقابلہ کرتے دیکھا ھے اور اسی طرح ایک اور موقع پر ایک چھوٹے سے پرندے (مرلن) کو ایک پہاڑی کوے پر حملہ کرتے ہوئے مشاہدہ کیا ھے جو کہ اس کے گھونسلے کے بالکل قریب آگیا تھا، چھوٹے پرندے نے کوے کا تعاقب کرکے اسکو مار بھگایا۔

پرندوں میں مامتا کے لحاظ سے ایک قابل ذکر پرندہ، اُلو ھے جو اپنے بچوں کی حفاظت کی خاطر بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ھے۔ چنانچہ پروفیسر پٹ کا بیان ھیکہ ایک مرتبہ جب وہ کسی جنگل میں، ایک درخت کے کھوکھلے تنے پر جھکے ہوئے اسکے اندر بیٹھے ہوئے اُلو کے بچوں کو دیکھنے کی

کوشش کر رہے تھے تو یکایک اُن کی پیٹھ پر ایک زور کا تھپڑ سا پڑا۔ اس اچانک تھپڑ سے وہ پریشان ہوگئے، کیونکہ اس وقت وہاں نہ تو کوئی چیز موجود تھی، نہ کوئی آواز ہی سنائی دی تھی۔ وہ چند لمحے ادھراُدھر دیکھ کر پھراس کھوکھلے تنے کے اندر دیکھنے کیلئے جھکے اور جھکتے ہی ان کی پیٹھ پر پھر ایک زور کا تھپڑ پڑا۔ انہوں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا تو ایک اُلو تیزی سے اُڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے بڑے، تیز اور بے آواز پنکھوں کی وجہ سے پروفیسر پر اچانک حملہ کرسکا تھا۔ پروفیسر وہاں سے واپس ہوا، اور اسکے دل میں غصہ ور ماں، کے احساسات اور مامتا کی قدر کا جذبہ موجزن تھا۔ اسکی مامتا یقیناً قدر کے لائق تھی، کیونکہ اکثر پرندے، جو ڈیل ڈول اور قوت میں اس سے بڑے ہوتے ہیں ایسی دلیری اور جرأت کا اظہار نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ عقاب جیسا پرندہ بھی شاید کسی دشمن یا حملہ آور پر اس قدر بے باکانہ حملہ نہ کرتا۔

چوپایوں میں، سب سے زیادہ، بلی کی مامتا اہمیت رکھتی ہے۔ دودھ پلانے والے حیوانوں (یعنی میملس) میں بلی سے زیادہ کوئی حیوان جرأت اور ہمت سے اپنے بچوں کی حفاظت نہیں کرتا۔ بلی کی مامتا بیشک نہایت عجیب اور مطالعہ کرنے کے لایق ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی اور حفاظت کس طرح کرتی، ان کے ساتھ کن کن طریقوں سے کھیلتی، ان کو پیار سے چاٹتی

اور محبت سے دانتوں سے پکڑتی ھے بچے جب بڑے ہوجاتے ھیں تو اسکے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ھیں اور اسکی دم اور کان دانتوں سے پکڑ کر کھینچتے ھیں۔ ان سب باتوں سے، اسے خوشی ہوتی ھے۔ لیکن جب کوئی خطرہ اسکے بچوں کے سر پر آ پہنچتا ھے تو بلی کی حالت بدل جاتی ھے کیا اس وقت اس سے زیادہ خوفناک کوئی اور بھی ہوتا ھے؟ وہ کتا نہایت ہی احمق اور بڑا ہی دلیر ہوگا جو غصہ کی حالت میں اسکے قریب جانے کا ارادہ کرے گا۔ خطرہ کا خیال کئے بغیر، اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، ماں یکایک قریب آنے والے (یا اسکی مسرت میں خلل ڈالنے والے) پر حملہ کرتی ھے اور اس زور سے اپنے خوفناک زھریلے پنجے مارتی ھے کہ شاید کوئی کتا ایسا ہو جو اس کے اس حملے کی تاب لا سکتا ہو۔ یہ حالت تو ایک معمولی، گھریلو، پالتو بلی کی ہوتی ھے۔ اس سے جنگلی بلیوں کی دہشت اور غصہ کا اندازہ کیا جا سکتا ھے کہ ان کا حملہ کس قدر خوفناک نہ ہوتا ہوگا۔ بہت سی بلیاں بہت ہی نڈر مائیں ہوتی ھیں جو اپنے بچونکو خطرہ میں گھرا ہوا دیکھکر اپنی جان پر کھیل جانے میں بھی تامل نہیں کرتیں۔

بلی کے خاندان کے دوسرے ارکان شیر، چیتا، تیندوا وغیرہ ھیں۔ لیکن اس گروہ میں دلیری اور جرات ڈیل ڈول اور جسامت کے لحاظ سے نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں ھے کہ ایک

شیرنی یا چیتے گی مادہ اپنے بچونکی حفاظت کرنے میں ایگ خطرناک جانور ضرور بن جاتی ہے ، لیکن بہت زیادہ خطرناک بھی نہیں - کیونکہ اگر اسکی دلیری اور جرات بلی کے مقابلے میں اسکی جسامت کے مطابق ہوتی تو یقیناً وہ جنگل میں ہر جانور سے سبقت لیجاتی - لیکن ایسا نہیں ہوتا -

جب بعض چھوٹے چوپایوں کے بچوں کی حفاظت اور بچاؤ کا سوال پیدا ہوتا ہے ، جنکے جسم میں اپنے بچاؤ اور حملہ کے لئے کوئی خاص عضو نہیں ہوتے ، اور بعض ، جو بالکل ہی غیر محفوظ ہوتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دوسرے طاقتور حیوانوں سے زیادہ دلیر اور نڈر ثابت ہوتے ہیں - چراگاہوں میں چرنے والی بھیڑ اور بکریاں اتنی بیوقوف نہیں ہوتیں کہ اپنے بچوں کی حفاظت نہ کریں - ایک بھیڑی ، جو عام طور پر کتوں سے جان بچانے کیلئے بھاگتی پھرتی ہے ، محض اپنے بچوں کی حفاظت کی خاطر تن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنا سر جھکا کر شکاری کتے کا مقابلہ ، سر اور سینگوں سے کرنے لگتی ہے اور بعض وقت سینگوں سے اسکی پسلیاں توڑ ڈالتی ہے - یہ « مامتا » ہے جو اُس میں ایسی ہمت اور بہادری کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے - ایسی ہمت اور بہادری جسکا اُس نے پہلے کبھی اظہار نہیں کیا تھا -

بچونکی حفاظت کے سلسلہ میں ایک نہایت ہی دلیرانہ طریقہ وہ ہے جسکو عام زبان میں « فریب پر شکستگی » کہتے ہیں - یہ

طریقه بعض پرندے اختیار کرتے ھیں اور اس طرح حمله آور یا دشمن کو اپنے بچوں کے پاس سے ہٹا کر دور لیجاتے ھیں۔ چنانچه ایسے پرندوں میں سمندری بط، تیتر، ماھی خور پرند پلور (شکل ۳۲ ـ الف) وغیرہ شامل ھیں ۔

پروفیسر پٹ کا بیان ھے که ایک مرتبه وہ سمندری بط کی تلاش میں لنبی لنبی گھاس میں پھر رہے تھے که انکے پاس سے ایک بط اُڑ کر نکلی اور انکے پاس ہی ذرا دور پر گر پڑی ۔ وہ اب اسکے گھونسلے اور اسکے بچونکے پاس پہنچ گئے تھے ۔ انہوں نے اسکے بچوں پر ایک نظر ڈالی ۔۔ اس اثناء میں بچونکی ماں نے انکی توجه اپنی طرف پھیر لی ۔ وہ قریب کی گھاس پر اس طرح چل رہی تھی جیسے کوئی پر شکسته ، زخمی پرندہ چل رہا ہو ۔ اور وہ اپنے پنکھ کو اس طرح جنبش دے رہی تھی جیسے اُڑ نه سکتی ہو ۔ اسکے حرکات و سکنات ایسے نه تھے جیسے کسی پنکھ ٹوٹے ہوئے پرندہ کے ہوتے ھیں ، بلکه ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسکے تمام اعضاء اور حصے ٹوٹے ہوئے ہوں ۔ یه یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ھے که اسکی حالت کو دیکھکر کوئی کتا ، بلی یا لومڑی ضرور دھوکه کھا جاتی ۔

جب وہ دلدلی گھاس میں ادھر سے ادھر لڑھکتی پھر رہی تھی ، تو پروفیسر مذکور خاموشی سے اسکو دیکھ رہے تھے ۔ لیکن جب اس بط نے دیکھا که پروفیسر اسکا تعاقب نہیں

گر رہا ھے تو وہ پھر ان کے بہت قریب آ گئی اور ان کو اپنے ساتھ دوسری طرف لیجانیکی کوشش کرنے لگی - اس مرتبہ پروفیسر اسکے پیچھے پیچھے چلنے لگے جبکہ وہ برابر لڑھکتی اور پھڑ پھڑاتی ، ادھر اُدھر گرتی پڑتی دوڑ رہی تھی - بلا شبہ ، وہ ان کو اپنے بچوں سے بہت دور لیگئی - لیکن جیسے جیسے پروفیسر اسکے بچوں سے دور ہونے لگے ، اسکی حرکتوں میں تیزی پیدا ہونے لگی اور وہ کیچڑ کی زمین پر کچھ دوڑتی اور کچھ اُڑتی ہوئی آگے بڑھنے لگی اور پھر آخر میں اس نے اپنے پنکھ پھیلائے اور یک بہ یک پرواز کرتی ہوئی قریب ہی کی ایک ندی کی طرف غائب ہو گئی - پروفیسر وھاں سے پلٹ کر پھر اسکے بچو نکے پاس آئے - ان کی اس واپسی کو دیکھ کر وہ بط پھر اُڑتی ہوئی ندی کے پاس پروفیسر کے قریب آ پہنچی اور پہلے کی طرح زمین پر لڑھکنے اور پنکھ پھڑ پھڑانے لگی -

یہ سوچ کر کہ شاید اس بط کے اس کرتب کا فوٹو لینا ممکن ہو ، پروفیسر کیمرہ لانے کے لئے اپنے گھر کی طرف دوڑے ، جو وہاں سے ۲۰ منٹ کے فاصلہ پر تھا - واپسی پر وہ سیدھے بط کے گھونسلے پر گئے ، لیکن انھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس اثناء میں بط کے بچے وہاں سے غائب ہو چکے تھے - ماں نے ان کو وہاں سے ہٹا لیا تھا - انھوں نے اِدھر اُدھر بچوں کو بہت تلاش کیا ، لیکن انکا کہیں پتہ نہ چلا - بط بہت اوپر اُڑتی رہی ، لیکن اب

اس نے پر شکستہ بط کے مانند زمین پر لڑھکنا بند کر دیا تھا۔ لہذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ھے کہ کیا اُس (بط) نے یہ محسوس کیا کہ اس نے پروفیسر کو شکست دیدی تھی اور اپنے بچوں کو ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں کوئی انکو نہ پا سکتا تھا۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا تھا۔ اور یہ کہ اسکی عجیب و غریب حرکتیں مادرانہ محبت کا اظہار کر رہی تھیں۔

یہاں اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ھے کہ آیا بط کی یہ عجیب و غریب حرکتیں فطری تھیں یا اسکی ذہانت کا ثبوت دے رہی تھیں؟ کیا اسکی یہ حرکتیں بلا ارادہ، خود بخود اس خوف کی وجہ سے پیدا ہوتی ھیں، جس میں کہ مادرانہ محبت کا جذبہ بھی شامل ہوتا ھے، یا سوچی سمجھی ہوئی حرکتوں کا ایک سلسلہ ہوتا ھے؟

بعض ماہرین کا خیال ھے کہ یہ دونوں کا مجموعہ ھے۔ کیونکہ ایک دوسری بط کے متعلق فرانسیس پٹ کا بیان ھے کہ وہ اپنے گھونسلے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یکایک ایک اود بلاؤ نے اسپر حملہ کیا۔ بط پھڑ پھڑا کر وہاں سے نکلی اور پر شکستہ پرندے کی طرح پانی پر پنکھ مارنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ارادتاً ایسا کر رہی ھے۔ اود بلاؤ نے بط کا پیچھا کیا اور بط کے ساتھ ساتھ اسکے گھونسلے سے بہت دور نکل گیا۔ جب بط نے دیکھا کہ وہ اُسکے گھونسلے سے بہت دور ہٹ گیا ھے تو وہ یکایک اُڑ گئی اور اود بلاؤ

منہ تاکتا رہ گیا۔ ان مثالوں میں ہم دیکھتے ھیں کہ ان پرندوں نے ارادتاً اپنے دشمن کو اپنے گھونسلے سے دور ھٹانے کی کوشش کی اور اپنے بچوں کو مصیبت سے بچایا، جس سے انکی غیر معمولی مامتا کا اظہار ہوتا ھے۔ ان حالتوں میں، اُن کی اپنی جان جانے کا بھی اندیشہ تھا۔

حیوانوں کی مامتا بعض اوقات نہایت «خطرناک صورتوں» میں بھی ظاہر ہوتی ھے۔ خاص طور پر ایسی حالت میں، جبکہ حیوانوں پر بہت زیادہ خوف اور دہشت طاری ہوتی ھے، دیکھا گیا ھے کہ بڑے حیوانات اپنے ہی بچوں کو مار ڈالتے ھیں۔ پروفیسر بٹ کا بیان ھے کہ انہوں نے خود ایک بار، کھیت میں رہنے والے ایک چوھے کو دیکھا کہ اُس نے اپنے بچوں کو ایک ایک کر کے دانت کاٹ کر مار ڈالا۔ اسی طرح کے اور بھی بیسیوں واقعات کتے، خرگوش، بجو اور دوسرے دودھ پلانے والے جانوروں کے سنے جاتے ھیں، جنھوں نے خطرہ کے وقت اپنے بچوں کو مار ڈالا۔ غالباً ان کی مامتا کا یہ جذبہ یا احساس، کہ ان کو اپنے بچوں کو بچانا چاہئے، ان کو ایسی خوفناک حرکت کرنے پر مجبور کرتا ھے۔ لیکن مامتا کے اس خوفناک پہلو کو چھوڑ کر اب ہم زیادہ دلچسپ واقعات پر نظر ڈالیں گے۔ مثلاً یہ کہ حیوانات اپنے بچوں کی حفاظت کن کن طریقوں سے کرتے ھیں؟

بچوں کی حفاظت کرنے کے نقطۂ نظر سے پرندوں کو سب سے پہلے درجہ میں رکھا جاتا ہے، جو اپنے بچوں کے لئے بڑے مضبوط، محفوظ اور خوبصورت گھونسلے یا گھر بناتے ھیں، ایسے گھونسلے اور گھر دودھ پلانے والے جانوروں میں نہیں پائے جاتے۔ گھونسلوں میں سب سے زیادہ تعریف کے لائق بیا کا گھونسلا ہوتا ہے جو پتوں کے باریک ریشوں کو بن کر بنایا جاتا ھے۔ اس میں اس ننھے سے پرندے کو بڑی محنت کرنی پڑتی ھے۔ لیکن واقعہ یہ ھیکہ گھونسلا بنانے سے زیادہ پرندوں کو، محنت، بچوں کی پرورش میں کرنی پڑتی ھے جب کہ وہ صبح سے شام تک چاروں طرف چارہ اور غذا کی تلاش میں اُڑتے پھرتے ھیں اور تھوڑی دیر کے بعد کیڑے پتنگے پکڑ کر یا اناج کے دانے لا کر بچوں کے منہ میں رکھتے ھیں۔ بچے ہر وقت اپنی بھوک کا اظہار کرنے کیلئے گھونسلے میں چونچ کھولے بیٹھے رہتے ھیں اور « چائیں چائیں » بھی کیا کرتے ھیں۔ اکثر پرندے بچوں کی پرورش اور ان کے لئے غذا مہیا کرنے میں بڑی تندھی اور جانفشانی سے کام لیتے ھیں۔

ان باتوں کے باوجود، کہ پرندوں کی مامتا بہت زیادہ ہوتی ھے اور وہ اپنے بچوں کی غیر معمولی حفاظت کرتے ھیں، ایک بات ایسی ھے جو بہت سے پرندے نہیں کرسکتے۔ یعنی وہ اپنے بچوں کو ایک پرانے گھونسلے سے کسی دوسرے نئے گھونسلے میں منتقل نہیں کرسکتے۔ پرندوں کو اُس وقت تک پرانے گھونسلوں میں رہنا پڑتا

ھے جب تک کہ بچے بڑے ہو کر اُڑنے نہ لگیں اور آزادانہ زندگی بسر کرنیکے قابل نہ بن جائیں - اسکے بعد وہ اکثر پرانے گھونسلے چھوڑ دیتے ھیں - لیکن چوپائے بہت کم اپنا مسکن بدلنے کی کوشش کرتے ھیں -

گھر کی تبدیلی کے متعلق فرانسس پٹ کا بیان ھے کہ انکے گھر کے پاس ایک بہت اونچا درخت تھا اسکی، ایک نہایت اونچی، شاخ کے سرے پر ایک گلہری نے اپنا گھونسلا بنایا تھا - انہیں یہ معلوم بھی نہ تھا کہ وہاں ایک گھونسلا موجود ھے ایک روز، جب وہ کھڑکی میں سے باہر کی طرف جھانک رہے تھے تو انہوں نے درخت کی چوٹی پر کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی دیکھی - غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ گلہری ھے - وہ اسے دیکھتے رہے - گلہری آہستہ آہستہ اوپر سے نیچے اتر رہی تھی - اس وقت وہ نہ تو ایک ٹہنی سے دوسری پر اچک رہی تھی اور نہ تیز تیز نیچے آ رہی تھی، جیسا کہ عام طور پر گلہریوں کے اترنے کا طریقہ ھے، اور جب وہ ایک کھلے ہوئے حصہ پر آئی تو انہوں نے دیکھا کہ احتیاط سے اترنے کی کیا وجہ ھے - دراصل اس گلہری کے منہ میں، اسکا ایک بچہ دبا ہوا تھا جسکی وجہ سے یقیناً اسے بڑی احتیاط سے اترنا بھی چاہئے تھا - وہ بلی کے مانند بچے کی پیٹھ کی کھال کو منہ سے پکڑے ہوئے تھی - وہ نہایت آہستہ آہستہ نیچے اتری اور زمین پر پہنچنے کے بعد تیزی سے سبزہ پر دوڑتی ہوئی، دوسری جانب کی جھاڑیوں میں چھپ گئی -

پروفیسر پٹ اس انتظار میں ٹھیرے رہے کہ شاید گلہری پھر باہر آئے چنانچہ چند منٹ کے بعد ہی وہ پھر جھاڑی سے باہر آئی، دوڑتی ہوئی اسی درخت کی طرف گئی، اور تیزی سے چڑھتی ہوئی اپنے گھونسلے میں پہنچ گئی اور پھر ذرا دیر کے بعد دوسرے بچے کو منہ میں دبائے ہوئے اسی احتیاط سے نیچے اترنے لگی۔ وہ ان دو بچوں سے پہلے اور کتنے بچوں کو منتقل کرچکی تھی، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن یہ تو ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنے پورے کنبے کو وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر رہی تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہی تھی؟ یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ غور کرنے کے بعد خیال ہوتا ہے کہ شائد اس کا پہلا مسکن مکان سے زیادہ قریب، اور لوگوں کی نظروں کے سامنے ہونے کی وجہ سے اس نے جھاڑی میں دوسرا گھر بنا لیا تھا۔ اس کے متعلق قطعی طور پر کوئی رائے نہیں دی جاسکتی۔ لیکن پروفیسر پٹ کا بیان ہے کہ انہوں نے تلاش کرنے کے بعد گلہری کا دوسرا مسکن پا لیا تھا، جو زیادہ بڑا تھا اور ایک دوسرے نہایت اونچے درخت کی چوٹی پر بنایا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ کئی ایک بڑے بچوں کو یکے بعد دیگرے ایک درخت سے دوسرے درخت پر منتقل کرنا بڑا مشکل اور سخت محنت کا کام تھا۔ لیکن «مامتا» بڑے بڑے اور حیرتناک کام کرسکتی ہے، اس کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔

اکثر حیوانوں کی مائیں ایک جگہ سے، جسے وہ اپنے بچوں کے لئے خطرناک سمجھتی ہیں، اپنے بچوں کو اٹھا کر دوسری جگہ

لے جاتی ہیں ، جسے وہ زیادہ محفوظ سمجھتی ہیں ۔ مثلاً بھیڑیا ، شیر ، ببر ، لومڑی وغیرہ ۔ یہ حیوانات بلی کے مانند اپنے بچوں کو گردن سے پکڑ کر لے جاتے ہیں ۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب چھوٹے چھوٹے جانوروں کو ان کی کھال پکڑ کر اٹھایا جاتا ہے تو وہ نہ تو اپنے آپ کو چھڑانے کی کشمکش کرتے اور نہ پنجے مارتے ہیں ۔ غالباً یہ بات ان کی فطرت میں داخل ہوتی ہے کہ اگر اس حصہ سے ، ان کو ، پکڑ کر اٹھایا جائے تو ان کو نقصان نہ ہوگا ۔ اور جب وہ بڑے ہوجاتے ہیں تو اس وقت بھی وہ اس بات کو نہیں بھولتے ۔ اگر کسی جنگلی جانور کو اس کی گردن کے اوپر سے پکڑ کر اٹھا جائے تو وہ چھڑانے کی کوشش نہیں کریگا اور بے حس و حرکت لٹکا رہیگا ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنے بچپن کا زمانہ یاد ہے ۔

بعض حیوانات اپنے بچوں کو دشمنوں سے بچانے کے لئے نہایت مضبوط اور آرام دہ گھر بناتے ہیں ۔ چنانچہ خرگوش کے گھر (شکل ۲۰ و ۲۱) کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ زمین کے اندر یا تو ایک نئی سرنگ بنا لیتا ہے یا پھر پرانی ہی سرنگ کے آخری حصہ میں گھاس وغیرہ جمع کر کے اس جگہ کو کسی قدر گرم اور نرم کمرے میں تبدیل کر لیتا ہے ۔ بعض وقت مادہ اپنے جسم کے بال بھی نوچ کر گھاس کے ساتھ ملا دیتی ہے ۔ اس طرح ایک گدی سی بنجاتی ہے ، جس میں بے بس اور مجبور بچے پیدائش کے بعد پڑے رہتے ہیں ۔ اس کے بعد بھی ماں انکی طرف سے پوری طرح مطمئن

نہیں ہوتی۔ اور جب وہ کہیں باہر جاتی ھے تو سرنگ کے دروازے
کو اس طرح بند کردیتی ھے کہ دشمن تو دشمن ھے ٹھنڈی ہوا
تک اندر داخل نہیں ہوسکتی۔ وہ سرنگ کھودتے وقت جو مٹی باہر
نکالتی ھے اسی سے سرنگ کے دہانے کو ڈھک دیتی ھے اور جبتک
زمین کو پوری طرح ہموار نہ کردے وہاں سے نہیں ہٹتی۔

خرگوش کی ایک اور قسم سرنگ بنا کر نہیں رہتی بلکہ زمین
میں ایک گڑھا سا بناتی ھے جسکو « فارم » کہتے ھیں اور یہ اسی
میں بچے دیتی ھے ان کے بچوں کے بال بڑے، لانبے اور گھنے ہوتے
ھیں اور سردی سے بچاتے ھیں۔

بعض حیوانات ایسے بھی ہوتے ھیں جن کے بچے پیدائش
کے وقت پوری طرح نشو و نما پائے ہوئے نہیں ہوتے۔ ان میں کینگرو
(شکل ۔ ۳۲ ب) اور بعض دوسرے تھیلی دار جانور شامل ھیں۔
کینگرو کے بچے پیدایش کے بعد بھی، ماں کے پیٹ میں جو تھیلی
ہوتی ھے، اُس میں واپس چلے جاتے ھیں اور پھر باہر نکل آتے ھیں۔
بچے ایک جھول میں دو یا تین بھی ہوسکتے ھیں۔

بندریا کو تو ہر شخص نے دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے بچے کو
ہر وقت چھاتی سے چمٹائے رہتی ھے، اور جب کوئی اسکے قریب
جاتا ھے تو وہ غصہ سے دانت نکالتی اور چیختی ھے تاکہ اس کے
دشمن اسکے قریب نہ آئیں۔

دودھ پلانے والے جانوروں کے علاوہ بعض دوسرے اور حیوانات بھی ایسے ہیں جو اپنے بچوں سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مچھلی، جو ایری اَس کہلاتی ہے، انڈے دینے کے بعد ان انڈوں کو اپنے منہ کے اندر تھیلیوں میں لئے لئے پھرتی ہے، اور جب تک بچے بڑے ہوکر آزادانہ زندگی بسر نہ کرنے لگیں، ان کو اپنے منہ سے نہیں نکالتی۔

اس طرح بعض قسم کے پانی اور زمین کے مینڈک بھی اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک مینڈک فیتا نما انڈوں کی تھیلی کو اپنی پیٹھ اور کمر میں لپیٹ لیتا ہے، اور بچے نکلنے تک وہ تھیلی اسکے جسم سے چمٹی رہتی ہے۔ ایک اور مادہ مینڈک کی پیٹھ میں گڑھے سے بنجاتے ہیں جن کے اندر انڈے محفوظ کرلئے جاتے ہیں، بچے انہیں گڑھوں میں نکلتے اور نشو و نما پا کر بڑے ہو جاتے ہیں۔

گیارھواں باب

طاقتور حیوانات

حیوانی دنیا میں جسمانی صحت ، قوت اور موزونیت ایک نہایت ضروری چیز ھے ، اور یہ حیوانوں کو ، زندگی کی کشمکش میں بنانے اور بگاڑنے میں بہت اہمیت رکھتی ھے - بقول « کمزور کو زندہ رہنے کا حق نہیں ھے » یہ قانون قدرت ، عالم حیوانات میں ہر جگہ جاری و ساری ھے - کیونکہ کمزور اور نحیف حیوانات ، طاقتور ، دیو پیکر اور مضبوط حیوانوں سے لڑکر غذا حاصل نہیں کر سکتے - لفظ « جنگلی جانور » ہی سے قوت ، طاقت اور عضلاتی نشو و نما کا پتہ چلتا ھے -

گو یہ ایک حقیت ھے کہ چند حیوانات بعض دوسروں سے زیادہ قوی اور توانا ہوتے ھیں ، لیکن اس قسم کا امتیاز ایک نسبتی نوعیت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ، کیونکہ ایک نہایت ننھا پسو اور دیو پیکر ہاتھی ، دونوں قدرت کے طاقتور پہلوان کہے جاسکتے ھیں -

عام طور پر جو حیوانات قد و قامت میں زیادہ بڑے ہوتے ھیں وہی زیادہ طاقتور اور مضبوط بھی ہرتے ھیں - کیونکہ ان کے جسم کی ہڈیاں لازمی طور پر بڑی ہونگی جس سے مضبوط اور قوی

عضلات جڑے ہوتے ہیں۔ جسامت کی کمی بیشی ایک حد تک موٹاپے پر بھی منحصر ہوتی ہے بالخصوص ان حیوانوں میں جو سرمائی نیند کے عادی ہوتے ہیں (مثلاً ریچھ) یعنی سردی کے موسم میں پڑے سوتے رہتے ہیں۔ اپنی نیند شروع کرنے سے قبل وہ اپنے جسم کے اندر بہت کافی مقدار میں چربی جمع کرلیتے ہیں، جو ان کی سرمائی نیند کے زمانہ میں پگھلتی رہتی ہے اور اس طرح ان کو غذا پہنچتی رہتی ہے، جس سے ان کی توانائی اور قوت قائم رہتی ہے۔ لیکن یہ حالت عارضی ہے، کیونکہ ایک حیوان کچھ عرصہ کے بعد جب پھر چست اور پھرتیلی زندگی شروع کرتا ہے تو وہ اپنے جسمانی نظام میں زیادہ چربی تحلیل کرکے جذب کرلیتا ہے اور اپنے مسکن سے بہت کمزور، لاغر اور بھوکا ہوکر نکلتا ہے۔

سب سے زیادہ بھاری بھرکم جسم، گو جسامت میں سب سے بڑا نہ سہی، دریائی گھوڑے (یعنی ہپوپوٹامس) کا ہوتا ہے (شکل۔ ۳۳) اس کی لمبائی دم کو شامل کرکے کبھی کبھی ۱۵ فیٹ تک ہوتی ہے، اور وزن تقریباً ٤ ٹن تک جا پہنچتا ہے۔ اسکے پیپے نما جسم کو مضبوط اور چھوٹی ٹانگیں سہارا دیتی ہیں، اور ایک بہت بھاری کھوپڑی ایک موٹی گردن سے جڑی رہتی ہے۔ منہ نہایت وسیع، چوڑا اور کشادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق بعض حکایتیں سننے میں آتی ہیں مثلاً یہ کہ ایک مرتبہ اس نے ایک کشتی کو اپنے جبڑوں سے پکڑ کر اُلٹ دیا تھا۔ ایک سیاح کا بیان ہے کہ

ایک بار ایک دریائی گھوڑے نے خشکی پر ایک آدمی کا تعاقب کیا۔ اسکو جا دبوچا اور پھر جبڑوں سے کاٹ کر اسکے دو ٹکڑے کر دئیے۔

چنانچہ، عام طور پر، دریائی گھوڑا مقامی زندگی بسر کرتا اور اپنا زیادہ وقت کیچڑ میں لوٹنے پوٹنے میں گزارتا ہے، لیکن اگر اسکو چھیڑا جائے تو وہ بھاگ کر گہرے پانی میں چلا جاتا ہے، اور پانی میں اتنی زور سے چھلانگ لگاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دریا میں جوار بھاٹا آگیا ہے۔

دوسرا دیو قامت اور قوی الجثہ حیوان ہاتھی ہے۔ یہ افریقہ اور ایشیاء میں پایا جاتا ہے۔ افریقہ کے ہاتھی کی لمبائی ۱۱ فیٹ اور اونچائی ۸ $\frac{1}{2}$ فیٹ تک، اور ایشیائی ہاتھی کی ۱۰ $\frac{1}{2}$ فیٹ تک بیان کی جاتی ہے۔ اس قسم کی پیمائش غیر معمولی خیال کی جاتی ہے، اور عموماً ۹ اور ۱۰ فیٹ کا قد اوسط سمجھا جاتا ہے۔

گو ہاتھی کی کھوپڑی بہت بڑی ہوتی ہے، لیکن وہ اندرونی طور پر اتنی ٹھوس نہیں ہوتی، جیسی کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔ اسکے اندر خانے دار ہوائی ہڈیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے دیواروں کے ذریعہ الگ ہوجاتی ہیں اسکے کاٹنے والے دانت، بہت بڑے، دانتوں کی شکل میں تبدیل ہوگئے ہیں اور منہ سے باہر نکلے رہتے ہیں۔ ان کو عام طور پر «ہاتھی دانت» کہتے ہیں۔ ریکارڈز اور یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ افریقہ کے ایک ہاتھی

کے دانتوں کا جوڑا ۲۹۳ پونڈ وزنی تھا اور ان میں سے « ایک ہاتھی دانت » ۱۱ فیٹ اور دوسرا ۱۲ فٹ لمبا تھا۔

ہاتھی کی جیسی بھاری اور بڑی کھوپڑی اور دانتوں کے مجموعی وزن کو سنبھالنے کیلئے موٹی اور مضبوط گردن کی ضرورت ہوتی ھے جیسی کہ ہاتھی میں پائی جاتی ھے ، لیکن وہ بہت چھوٹی ہوتی ھے ، جسکی وجہ سے ہاتھی اپنے منہ سے کوئی چیز نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے قدرت نے اسکو ایک عجیب و غریب جسمانی ہتیار عطاء کیا ھے جسکو « سونڈ » کہتے ھیں۔ سونڈ دراصل ناک کی بدلی ہوئی شکل ھے۔ جسکے اگلے سرے پر دو نتھنے ہوتے ھیں اور جو دو لمبی نالیوں سے ملحق ہوتے ھیں اور ان کے چاروں طرف پٹھے اور عضلات ہوتے ھیں۔

ہاتھی درختوں کی کونپلیں کھانے کیلئے بعض وقت درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ھیں۔ تیس تیس فٹ اونچے درخت جن کے تنوں کی گولائی کا قطر ٤ فیٹ تک ہوتا ھے زمین پر ڈھا دئے جاتے ھیں۔ بعض وقت کئی کئی ہاتھی ملکر درختوں کو گرانے کی کوشش کرتے ھیں۔ بعض سونڈ سے تنے اور شاخوں کو کھینچتے ھیں اور بعض اپنے مضبوط اور لانبے دانتوں سے جڑ کھودتے ھیں۔

ہاتھی کی طاقت کا بہترین استعمال سیلون اور برما وغیرہ میں ہوتا ھے ، جہاں اس سے لکڑی کی وزنی شہتیریں اٹھوائی جاتی ھیں۔

نہایت قدیم زمانے میں بھی ہاتھی کی طاقت کو جنگ میں استعمال کیا جاتا تھا ، اور روما میں تو ان کی قوت آزمائی کے مظاہرے بھی انکی لڑائی کی شکل میں ہوتے تھے -

سب سے زیادہ مضبوط اور خوفناک حیوان گینڈا (رہینا سرس) سمجھا جاتا ھے (شکل - ٣٤) کیونکه وہ بہت جسیم اور قد آور ہوتا ھے - اسکے علاوہ اسکی تھوتھنی پر ایک یا دو سینگ پائے جاتے ھیں - ھندوستانی گینڈے میں جو تقریباً ٨ فیٹ لمبا ہوتا ھے ، صرف ایک سینگ ہوتی ھے - لیکن افریقی گینڈے میں دو سینگ ہوتے ھیں اور بعض اوقات تین سینگوں والے گینڈے بھی دیکھے گئے ھیں -

یه سینگ کھوپڑی سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے بلکه ریشه دار بالوں کے ایک جگه پر ملجانے سے بنتے ھیں - علاوہ ازین ، وہ کسی حد تک متحرک ، اور اگر دباؤ ڈالا جائے تو وہ اس سے متاثر بھی ہوتے ھیں - نہایت قدیم زمانے کے ایک سائنسدان کا خیال تھا کہ دو سنگ والے گینڈے میں سامنے کا سینگ سیدھا کھڑا ہوا نہیں رہتا بلکه وہ ہاتھی کی سونڈ کے مانند سامنے پڑا رہتا ھے ، اور اسی وقت سیدھا کھڑا ہوتا ھے جبکه گینڈا غصه میں بھرا ہو اور کسی پر حمله کرے - لیکن یه کہانی من گھڑت معلوم ہوتی ھے -

اکثر یه کہا جاتا ھے کہ گینڈے کی سپر دار کھال پر بندوق کی گولی اثر نہیں کرتی - لیکن یه بات صحیح نہیں ھے ، جیسا کہ مندرجه ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ھے -

واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آئرستانی سپاہی نے ، جو کہ ہندوستان میں مقیم تھا ، سوچا کہ وہ اپنی بندوق کے نشانے کو ایک مقید گینڈے پر آزمائے ۔ نشانہ باندھنے کے بعد اس نے بندوق کے گھوڑے کو دبایا اور اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ گینڈا گر پڑا اور مر گیا ۔ اسکے اس عقیدے کو ، کہ گینڈے کی کھال اتنی سخت ہوتی کہ اس پر گولی اثر نہیں کرتی ، شدید دھکا لگا ۔ اور اسکا معاوضہ ادا کرنیکے بعد وہ بہت ہی مفلس اور تنگدست ، لیکن ساتھ ہی ساتھ ، زیادہ ہوشیار اور عقلمند بھی ہوگیا ۔

باوجود نہایت بھاری بھرکم اور دیو پیکر ہونیکے ، گینڈا بہت تیزی سے دوڑ سکتا ہے ۔ جب یہ کسی پر حملہ کرتا ہے تو سامنے کی طرف سر جھکا کر اندھا دھند دوڑتا ہے تاکہ سینگ اپنے دشمن کے جسم میں چبھو دے ۔ کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات پوری پوری جسامت کے ہاتھیوں کو بھی ، جب وہ کسی غصہ ور گینڈے سے اتفاقی طور پر ٹکر لیتے ہیں ، تو موت کا نشانہ بننا پڑتا ہے ۔ نہ صرف ہاتھی بلکہ بعض اور طاقتور حیوانات بھی اسکے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتے ۔

سینگ ، مویشیوں مثلاً گائے ، بیل ، بھینس ، بکری ، ہرن اور بارہ سنگھے وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ بارہ سنگھوں کے سینگ کا غلاف مقررہ وقفوں کے بعد گر جاتا ہے اور اسکی جگہ نئے سینگ پوش نکل آتے ہیں ، جو ہڈی کے قالب پر چڑھے رہتے ہیں ۔

جنگلی بیلوں میں سب سے بڑا اور مضبوط گور بیل ہوتا ہے، جسکے کندھوں کی اونچائی ۶ فیٹ ہوتی ہے۔ اس سے کسی قدر چھوٹا، افریقہ کا ارنا بھینسا (بائسن) ہوتا ہے (شکل ۔ ۳۵) جو اپنی خوفناک قوت اور ہیبت آفرینی کی وجہ سے افریقہ کے تمام جانوروں میں ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں حیوانوں میں بہت بڑے بڑے ہوئے اور مضبوط سینگ ہوتے ہیں۔ ارنا بھینسے کے سینگ جڑ کے پاس بہت چوڑے ہوتے ہیں اور پیشانی کے سامنے آکر اس طرح ملجاتے ہیں کہ ایک ڈھال کی سی شکل بن جاتی ہے، جسکی وجہ سے بندوق کی گولی، اسکے سر میں داخل نہیں ہوسکتی۔ ان دیو پیکر حیوانوں کی جسمانی قوت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ لندن کے باغ حیوانات (چڑیا گھر) میں ایک مرتبہ بعض ارنا بھینسوں نے اپنے پنجرے کی آہنی سلاخوں کو سینگوں سے اس حد تک موڑ دیا کہ انکی جگہ بہت موٹے شہتیروں کی جالی بنانی پڑی تاکہ آیندہ وہ پنجرے کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

بعض قسم کے ہرن (اینٹی لوپ) بھی بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ ان کے سینگ لانبے اور پیچھے کی سمت میں مڑے ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات یہ حیوانات، شیر اور ببر کو بھی لڑائی میں شکست دیکر جان سے مار ڈالتے ہیں۔ ہندوستان میں، لڑنے والے بکرے اور بھیڑیں، بھی بڑی طاقتور ہوتی ہیں اور ان کو صرف لڑائی کی غرض سے پالا جاتا ہے انکے لڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف بھیڑ یا بکرے دس یا بارہ گز کے

فاصلہ سے دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور ایک دوسرے کی کھوپڑی کو اس زور سے ٹکر مارتے ہیں کہ اگر ان کی جگہ دوسرا کوئی جانور ہو تو اسکی کھوپڑی کی ہڈیاں چور چور ہو جائیں۔ لیکن ان بھیڑ اور بکروں کی کھوپڑی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ کئی بار ٹکر لگنے پر بھی نہیں ٹوٹتی۔ لیکن یہ قدرت کا ایک قانوں ہے کہ مضبوط سے مضبوط، اور طاقتور سے طاقتور حیوانات کو بھی مقابلہ اور لڑائی میں شکست اٹھانی پڑتی ہے۔ چنانچہ جب دو بھیڑیں یا بکرے لڑتے ہیں تو انکا فیصلہ یا تو برابری پر ہوتا ہے یعنی دونوں شکست کھا کر الگ ہٹ جاتے ہیں، یا پھر دونوں میں سے ایک کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بہت لڑاکو بکرے کو ایک شیر کے پاس چھوڑ دیا گیا بکرے نے شیر پر ایسا تاک کر حملہ کیا کہ شیر کی پسلیاں بکرے کے سینگوں سے ٹکرا کر ٹوٹ گئیں اور شیر اس حملہ کی شدت سے بیدم ہو کر گر پڑا۔

ببر بھی طاقتور حیوانوں میں شمار کیا جاتا ہے اور قوت جسمانی کے لحاظ سے «جنگل کا بادشاہ» سمجھا جاتا ہے۔ اس میں نہایت اعلی پائے کی عضلاتی (پٹھوں کی) قوت اور مضبوط دندانے دار جبڑے ہوتے ہیں جن کی بدولت وہ دوسرے حیوانات کو اپنا مطیع سمجھتا ہے۔ وہ اپنے پنجے کے صرف ایک تھپڑ سے کسی بیل، ہرن یا زیبرا کو گرا سکتا ہے اور منہ میں ایک بچھڑے کو دبائے ہوئے ۹ فیٹ اونچی دیوار پھاند سکتا ہے۔

عام طور پر شیر اور ببر انسان کو ضرر نہیں پہنچاتے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ آدم خور بن جاتے ہیں ۔

روما کے باشندے ہاتھی کی لڑائی اور شیر کی لڑائی کے تماشے بھی دیکھنے کے شائق تھے ۔ چنانچہ عوام کی دلچسپی کے لئے تماشا گاہوں میں شیر کی لڑائی بھی منعقد کیجاتی تھی ۔ اکثر ملکوں میں نہایت قدیم زمانے میں یہی رواج تھا کہ بعض وقت قانون شکنی کرنیوالے کو شیر کے پنجرے یا شیر کی گوی میں ڈالدیا جاتا تھا ۔

لیکن صرف شیر اور ببر ہی خونخوار اور ہلاکت آفرین حیوان نہیں ہیں بلکہ گوریلا (میمون) بھی اسی میں شمار کیا جاتا ہے (شکل - ٣٦) ان انسان نما بندروں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ جنگلی آدمیوں کو اٹھا لیجاتے اور ہاتھیوں کو بھی لڑائی میں مغلوب کرلیتے ہیں ۔

مسٹر بیٹل کا بیان ہے کہ « وہ بہت سے ملکر گروہ کی شکل میں پھرتے ہیں اور جنگلوں میں رہنے والے حبشیوں کو مار ڈالتے ہیں ۔ بعض وقت وہ سب ملکر ہاتھیوں پر حملہ کر دیتے ہیں جب غذا کی تلاش میں نکلتے ہیں ۔ ان کو کبھی زندہ نہیں پکڑا جا سکتا ، کیونکہ ان کی طاقت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ دس آدمی بھی ملکر کسی ایک گوریلا کو نہیں پکڑ سکتے » ۔

گو ان حکایتوں اور کہانیوں پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ کرہ ارض پر جو بہت زیادہ

طاقتور حیوانات پائے جاتے ھیں ان میں سے ایک گوریلا بھی ھے۔ اسکے سینے کی چوڑائی سے فوراً اس بات کا اندازہ ہوسکتا ھے کہ قدرت نے اسکو غیر معمولی طاقت و قوت بخشی ھے۔ اسکے بازو بہت لانبے اور اسکے ہاتھ انسانی ہاتھ سے تین گنا بڑے ہوتے ھیں۔

دوسرا میمون، جو جسمانی قوت کے لحاظ سے مشہور ھے، اورنگ اوٹن ھے۔ مگر اور اژدھے کے سواء دوسرا کوئی حیوان اس پر حملہ کرنیکی جرات نہیں کرسکتا، اور ان حیوانوں کے حملے بھی محض اتفاقی ہوتے ھیں اور اس سے لڑنے میں حملہ آور ہی کی جان کا خطرہ رہتا ھے۔

جب کبھی کوئی گھڑیال یا مگر (شکل - ۳۷) اورنگ اوٹن کے مقابلہ پر آجاتا ھے تو یہ بندر اپنے مضبوط ہاتھوں سے اسکے دونوں جبڑوں کو پھاڑ ڈالتا ھے، اور اپنے مضبوط دانتوں سے اسکے حلق کو کتر دیتا ھے، اس طرح جب کسی اژدھے سے سابقہ پڑتا ھے تو، باوجود حد درجہ جسمانی اور عضلاتی قوت رکھنے کے، اژدھا بے دست و پا اور مجبور ہوجاتا ھے۔ میمون، اپنے دانتوں سے اژدھے کو اس زور سے کاٹتا ھے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاکر مرجاتا ھے۔ اس میمون کے بازووں کی زبردست طاقت کا اندازہ ایک اور واقعہ سے بھی ہوتا ھے۔ بیان کیا جاتا ھے کہ، کئی سال گزرے کہ لندن کے باغ حیوانات (یعنی چڑیا گھر) میں جب ایک روز وہاں کے نگہبان گھر چلے گئے تھے، تو ان میمونوں میں

سے ایک نے اپنے کٹہرے کے سامنے لگی ہوئی لوھے کی جالی کی ایک سلاخ کو اوپر اٹھا دیا، اور پھر اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کر دئیے۔ اور اب سوراخ کو بڑا کرنا زیادہ آسان ہو گیا تھا۔ دوسرے دن مزدوروں کو اس جالی کو درست کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ اور گو میمون نے اس سلاخ کو موڑنے اور توڑنے میں صرف اپنی انگلیوں سے کام لیا تھا، لیکن مستری اسکو بغیر ہتوڑے اور نہانی کے ہرگز درست نہ کر سکتے تھے۔

چھوٹے بندروں میں بوزنہ (بے بون) بہت زیادہ طاقتور ہوتا ھے اور اُس کے نوکیلے دانت بھی، شیر کی طرح لانبے اور بڑے ہوتے ھیں۔ وہ آپس میں بھی بڑی آزادی سے لڑتے ھیں، اور اکثر اوقات انسان پر بھی حملہ کرتے ھیں۔ جب وہ گروہ اور جھنڈ کی شکل میں ہوں تو خطرے سے خالی نہیں ہوتے۔ گو اب انکو اس بات کا احساس ہو چلا ھے کہ بندوق بھی کوئی چیز ھے جس سے ڈرنا چاہئے۔ لیکن اگر کوئی غصہ ور بوزنہ کسی کے قریب پہنچ جائے تو اس سے بچنا محال ھے۔ کیونکہ وہ شکار کے جسم میں اپنے خونخوار دانت پیوست کر دیتا ھے اور ایک لمحہ بھی گرفت ڈھیلی کئے بغیر اسکے بوٹیاں نوچ ڈالتا ھے۔

اس میں شک نہیں کہ بوزنہ نہایت خونخوار ہوتا ھے، لیکن اگر اسکو بچپن سے پکڑ کر تربیت دیجائے تو مانوس ہو جاتا ھے اور جلد ہی تربیت حاصل کر لیتا ھے۔ چنانچہ افریقہ میں ریلوے کے

ایک لنگڑے مزدور کے متعلق بیان کیا جاتا ھے کہ اس نے ایک بوزنہ کو پالا تھا اور اسے مختلف کام سکھائے تھے، چنانچہ وہ ریل کا سگنل دیتا تھا، کنوئیں سے پانی کھینچ کر لاتا اور اپنے مالک کی گاڑی ڈھکیلتا تھا۔

سب سے زیادہ بد صورت، اور غالباً سب سے زیادہ طاقتور بوزنہ، مینڈرل کہلاتا ھے (شکل - ۳۸) جسکو دیکھ کر ہنسی آتی ھے، کیونکہ نر بوزنہ کے چہرے پر گہرے سرخ اور نیلے رنگ کی دھاریاں ہوتی ھیں۔ یہ مغربی افریقہ میں پایا جاتا ھے۔ وہاں کے حبشی اس بندر سے بہت ڈرتے ھیں، انکا بیان ھے کہ بعض اوقات، یہ عورتوں اور بچوں کو اٹھا لیجاتا ھے۔ گو ایسے واقعات عموماً بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کئے جاتے ھیں، اور اس بات میں شبہہ کی گنجایش باقی رہتی ھے کہ آیا ایک بوزنہ، اتنا طاقتور ہوتا ھے کہ ایک آدمی کو اٹھا کر لیجا سکے؟ گو، اس میں شک نہیں، کہ بوزنے میں غیر معمولی طاقت ہوتی ھے۔

سمندری حیوانوں میں، قوت جسمانی کے لحاظ سے سب سے پہلا نمبر وھیل کا ھے (شکل - ۳۹)، سب سے بڑی وھیل کی لمبائی ۹۵ فیٹ تک ہو سکتی ھے قدیم زمانے کے ماہروں اور حیاتیات دانوں نے وھیل کو مچھلیوں کے گروہ میں محض اس خیال سے شامل کر دیا تھا کہ وہ سمندر میں رہتی ھے اور ایک بڑی مچھلی ھے؛ اور نہ صرف قدیم زمانے، بلکہ موجودہ دور میں بھی بہت سے لوگ لاعلمی کی وجہ سے، وھیل کو سمندری مچھلی سمجھتے ھیں۔ حالانکہ

وہ ایک میمل (یعنی دودھ پلانیوالا حیوان) ھے ، اگرچیکہ شکل اور بناوٹ کے لحاظ سے وہ مچھلی کے مانند نظر آتی ھے - اس حیوان کے جسم میں سانس لینے کیلئے پھیپھڑے (یا شش) موجود ہوتے ھیں جن سے وہ ہوا میں سانس لیتا ھے اور اپنے بچوں کو دودھ پلا کر پالتا ھے -

وھیل پانی میں اپنی دم کی مدد سے حرکت کرتی ھے - جب وھیل کو ہارپون (یعنی برچھے کی شکل کا خمدار کانٹا جس میں رسی کا ایک پھندا بندھا ہوتا ھے) سے پکڑا جاتا ھے تو وہ اپنی انتہائی تیز رفتار سے بھاگنے کی کوشش کرتی ھے -

ایک وھیل کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ھے کہ وہ ہارپون کی رسی کے ذریعہ سے ایک اسٹیمبر کو ٢٤ گھنٹوں تک کھنچتی رہی ، یہ نہ محسوس کرتے ہوئے کہ انجن کی رفتار کا رخ مخالف سمت میں کر دیا گیا ھے ، تاکہ وہ وھیل کو بھاگنے سے روک سکے - دریافت کیا گیا ھے کہ وھیل سمندر کی سطح سے تقریباً ٥ ہزار فیٹ کی گہرائی تک چلی جاتی ھے اور اس گہرائی تک پہنچنے کے بعد اسکے جسم کے ہر مربع فیٹ پر پانی کا دباؤ ١٤٠ ٹن پڑتا ھے - موجودہ زمانے میں ایک غوطہ زن (ڈائور) تقریباً دو سو فیٹ کی گہرائی تک لباس اور آلات وغیرہ کے ساتھ جا سکتا ھے ایسی حالت میں میں اسے فالج ہو جانے کا اندیشہ رہتا ھے -

سمندر کے بعض دوسرے شہزور اور طاقتور حیوانات میں بے ہڈی کے بعض جانور اہمیت رکھتے ھیں ، ان میں آکٹوپس (آٹھ

ڈنک یا بازوؤں والی صدف) اور اسکوئڈ (دس ڈنک یا بازوؤں والی صدف) کو شامل کیا جاتا ہے (شکل ـ ۹ و ۱۰) ان کے لمبے اور مضبوط عضلی بازوؤں میں متعدد چپکنے والی قرص نما ساختیں موجود ہوتی ہیں ، یہ گول تختیوں کے مانند ہوتی ہیں اور سکر (چوسنے کے اعضاء) کہلاتی ہیں ۔ چنانچہ شکار کا ، ان بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونا ، بہت دشوار ہوتا ہے ۔

آکٹوپس میں آٹھ بازو ہوتے ہیں اور ہر بازو میں تقریباً (۱۲۰) جوڑے سکر (چپکنے والی تختیوں) کے ہوتے ہیں جو دو قطاروں میں ترتیب دئے ہوتے ہیں ۔ یوں تو اس حیوان کے متعلق بہت سی جھوٹی سچی روایتیں بیان کی جاتی ہیں ، لیکن واقعہ یہ ہیکہ ان کے بازوؤں کی لمبائی زیادہ سے زیادہ چھے فٹ تک ہوتی ہے ۔

البتہ بعض دس بازوؤں والی اسکوئڈ مچھلیاں ، ذرا زیادہ لمبی ہوتی ہیں ۔ مسٹر اے ۔ ای ۔ وبرل ایک ایسی اسکوئڈ کی لمبائی دس فٹ اور اس کے دو زیادہ لمبے بازوؤں میں سے (جوکہ آکٹوپس میں نہیں ہوتے) ہر ایک کی لمبائی ۴۲ فیٹ اور اسکے ۸ چھوٹے بازوؤں کی چھے فٹ بتاتی ہے ۔ جب کوئی شکار اس کے پھندے میں پھنس جائے تو بازوؤں کی قرص نما تختیاں اسکے جسم سے یکے بعد دیگر چمٹنے لگتی ہیں ، اور شکار جسقدر زیادہ بچنے اور نکلنے کی کوشش کرتا ہے اُتنا ہی زیادہ بازوؤں کی گرفت مضبوط ہوتی جاتی ہے ۔ رفتہ رفتہ شکار پوری طرح جکڑ لیا جاتا ہے اور

پھر منھ کے قریب لایا جاتا ھے۔ منھ کے اندر طوطے کی چونچ کے مانند جبڑے ہوتے ھیں جو شکار کو کتر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ھیں۔ بعض اور بھی دس ڈنک والی مچھلیاں ایسی پائی جاتی ھیں جن میں چمٹنے کی صلاحیت پائی جاتی ھے اور وہ پتھروں وغیرہ سے اس طرح چمٹ جاتی ھیں کہ انکو الگ کرنا محال ہو جاتا ھے۔ ان کی اس طاقت کے متعلق ڈاکٹر ریل کا بیان ھے کہ " وہ پتھروں سے چمٹنے کے بعد اتنی بڑی قوت کا مقابلہ کرسکتی ھیں جتنی ٦٢ پونڈ وزن کو اٹھانیکے لئے درکار ہوتی ھے، یا انکے اپنے وزوں سے ۱۹ سوگنا زیادہ۔ "

خولدار سیپیوں (صدفون) میں اتنی قوت ہوتی ھے کہ وہ جب اپنے دونوں خول بند کرلیتی ھیں تو ان کو کھولنے کیلئے بڑی طاقت کی ضرورت ہوتی ھے۔ ان میں سے وہ سیپ، جو تقریباً دو ھزار پونڈ یا ایک ٹن وزنی ہوتی ھے۔ غیر معمولی جسمانی قوت رکھتی ھے۔ بعض اوقات غوطہ زن (ڈائور)، جو موتیوں کی جستجو میں سمندر کے اندر اترتے ھیں، اتفاقی طور پر ان بڑی سیپیوں کے دونوں کھلے ہوئے خولوں کے اندر پیر رکھ دیتے ھیں تو ان کی جانیں ضائع ہوجاتی ھیں۔ کیونکہ سیپ کے خولوں کی گرفت سے آدمی اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ اس کا کوئی رفیق اسکی مدد کو نہ پہنچے اور سیپ کو توڑ نہ ڈالے۔

ایک قسم کا کیکڑا، جو ناریل کیکڑا کہلاتا ھے، تقریباً ایک فٹ لمبا ہوتا ھے۔ ریکارڈز اور یادداشتوں سے اس بات کا

ثبوت ملتا ھے کہ اس کے چمٹے نما جنگال (یا پنجوں) میں اس قدر قوت موجود ہوتی ھے کہ وہ ایک جھٹکے میں انسان کا ہاتھ یا ناریل کا سخت پوسٹ توڑ سکتا ھے، اور ڈارون کا بیان ھے کہ ایک اسی قسم کے کیکڑے نے، جسکو ٹین کے صندوق میں رکھا گیا تھا، اس دھاتی صندوق میں سوراخ کر دئے اور صندوق کے کناروں کو نیچے کی طرف جھکا کر اس میں سے نکل بھا گا۔

بعض حیوانات کی قوت، ان کی کود پھاند سے ظاہر ہوتی ھے۔ چنانچہ ایسے بڑے جانوروں میں ایک کینگرو ھے اور چھوٹے جانوروں میں پسو (شکل ۔ ٤٠)۔

پسو کی عجیب و غریب خاصیت یہ ھے کہ وہ اپنی لمبائی سے دو سو گنا اچک اور کود سکتا ھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ھے کہ اگر ایک آدمی چھے فٹ اونچا ہو اور اُس میں اسی تناسب سے قوت بھی موجود ہو، تو وہ دو سو فٹ کی بلندی تک کود سکتا یا چار مسلسل پھاندوں میں ایک میل کا فاصلہ طے کر سکتا ھے۔

کینگرو، کود پھاند میں، آدمی سے کچھ کم نہیں ھے۔ بعض بڑے بڑے افراد ایک ایک پھاند میں دس دس گز کا فاصلہ طے کر لیتے ھیں، اور اسی رفتار سے، بغیر کہیں رکے ہوئے، مسلسل ١٨ میل تک جا سکتے ھیں۔ کینگرو جب دشمن سے مقابلہ کرتا ھے تو اسے زور کی لات مارتا ھے، اور اپنے بڑے ناخنوں سے

اس کے جسم میں زخم ڈالدیتا ھے۔ اگلی ٹانگیں اکثر حملہ کرنے کے لئے استعمال کیجاتی ھیں۔ کئی واقعات اس قسم کے بیان کئے جاتے ھیں کہ کینگرو نے بعض کتوں کو اگلی ٹانگوں سے پکڑ کر پانی میں اس وقت تک غوطے دئے جب تک کہ وہ ڈوب نہیں گئے۔

بعض پرندے بھی اپنی جسمانی قوت کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتے ھیں۔ چنانچہ پرندوں کے بازوؤں اور پنکھوں میں بہت زیادہ عضلی طاقت موجود ہوتی ھے، بعض کے ناخن اور بعض کی ٹانگیں بہت مضبوط ہوتی ھیں۔

گو پرندوں کے بازو (یا پنکھ) صرف اُڑنے کیلئے مخصوص ہوتے ھیں لیکن بسا اوقات ان کو حملہ کرنے کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ھے، اور راج ہنس کے پنکھ کی مار سے تو بعض وقت آدمی کا ہاتھ بھی ٹوٹ جاتا ھے۔ بعض پرندوں کے پنکھوں اور ٹانگوں میں مہمیز ہوتے ھیں جن سے وہ اپنے دشمن کے جسم میں گھاؤ پیدا کردیتے ھیں۔ گدھ اور عقاب کے ناخن بہت تیز اور مضبوط ہوتے ھیں۔ کچھ زمانہ گزرا جب لندن کے باغ حیوانات (یعنی چڑیا گھر) میں ایک آفیسر کو ایک عقاب نے بہت زخمی کر دیا تھا۔

لیکن پرندوں میں سب سے زیادہ طاقتور امریکی اور آسٹریلیائی شتر مرغ ہوتے ھیں۔ یہ پرندے اُڑ نہیں سکتے لیکن انکی

کی ٹانگوں میں بلا کی قوت ہوتی ہے۔ جس سے یہ بہت تیزی سے دوڑ سکتے ہیں، انکی ٹانگیں بہت لانبی ہوتی ہیں اور یہ اپنے ناخن سے اپنی حفاظت اور دشمن پر حملہ بھی کرتے ہیں۔ مختلف قسم کے شتر مرغ جن کو ایمو، رھی آ، کساوری اور اسٹروتھیو کہا جاتا ہے، ایک ہی طریقہ سے حملہ نہیں کرتے۔ ایمو سامنے کی جانب ناخن مارتا ہے اور باقی سب پیچھے دائیں اور بائیں جانب۔

سب سے زیادہ خوفناک قوت کا اظہار کرنیوالے حیوانات میں اژدھے شامل ہیں، جو اپنے شکار کے گرد لپٹ جاتے ہیں اور صرف عضلی (یا پٹھوں کی) طاقت سے شکار کی ہڈی پسلی مسل کر چورا چورا کر دیتے ہیں۔

سب سے بڑا اژدھا یا اجگر، جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے جسکو «اناکونڈا» کہا جاتا ہے۔ اسپین کے باشندے اس کو «ماٹاٹورو» کہتے ہیں یعنی گاؤکش (یا گائے کو مار ڈالنے والا) ان لوگوں کا بیان ہے کہ یہ تقریباً ۸۰ فیٹ لمبا ہوتا ہے۔ لیکن یہ عدد کچھ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔ ماہرین حیاتیات نے اپنی معلومات کی بناء پر اسکی انتہائی لمبائی ۳۰ فیٹ بتلائی ہے۔

جزیرہ نما ملایا میں پائے جانیوالے اژدھے کی لمبائی اناکونڈا سے ذرا ہی کم ہوتی ہے، اور ہندوستانی یا سیاہ اژدھا، ۲۵ فیٹ سے زیادہ لمبا نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے بڑے اژدھے

اسٹریلیا اور جنوبی امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔ امریکی اژدھے کی لمبائی بہت ہی شاذ صورت میں ۱۴ فیت سے زیادہ ہوتی ہے۔

ان اژدھوں کی قوت، اور شکار کو نگلنے کے متعلق عجیب و غریب روایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں سے بیشتر صرف فرضی کہانیاں ہیں اور ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

ایک کتاب میں، جس میں قدیم حیوانوں کا ذکر ہے، ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اژدھے (بوآکنسٹرکٹر) اور بھینسے میں لڑائی ہوئی اژدھا، چوپائے کے جسم کے اردگرد لپٹنے لگا، اور ہر چکر میں بھینسے کی ہڈیاں اس زور سے ٹوٹتی تھیں کہ بندوق داغنے کی سی آواز آتی تھی، اور آخر میں جب چوپایہ مرگیا تو اژدھا اسکو نگل گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ لپٹنے والے اژدھے، اپنے شکار کی ہڈیاں نہیں توڑتے، اور گو وہ اپنی جسامت کے مقابلے میں زیادہ بڑے بڑے شکار نگل سکتے ہیں، لیکن ان کے شکار میں صرف چھوٹے حیوانات مثلاً جنگلی سور، بارہ سنگھے، ھرن وغیرہ شامل ہیں زیادہ بڑے اور جسیم حیوانوں کو یہ نگل نہیں سکتا۔ اس مضمون میں حیوانوں کی قوت کے متعلق ایک سرسری بیان دیا گیا ہے۔ اگرچہ کہ اس میں وسعت دینے کی اور بھی گنجائش ہے۔ مثلاً چیونٹی کی قوت، بعض بڑی بڑی مچھلیوں کی قوت، چیونٹی خور حیوانوں کی اگلی ٹانگوں کی

قوت ، ان کے علاوہ بعض ایسے حیوانات ، جو اپنے پورے وزن کو صرف دم پر سنبھال سکتے ہیں۔ لیکن طوالت کے خیال سے اسکو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ حیوانوں کی ہر نوع میں نہایت طاقتور پہلوان موجود ہوتے ہیں۔

بارھواں باب

حیوانات کی پوجا

نہایت قدیم زمانہ کے مصریوں میں حیوانوں کی پوجا اور پرستش ایک نہایت اہم مذھبی عقیدہ بن گیا تھا، اور نہ صرف مصر، بلکہ اسی زمانہ میں دنیا کے ہر خطہ، خصوصاً یونان میں، حیوانوں کی پوجا کا رواج بہت عام ہوگیا تھا۔ اور آج بھی جبکہ دنیا اتنی روشن خیال بن چکی ھے، ھندوستان اور بعض دوسرے ملکوں میں آبادی کے ایک کثیر حصہ میں گائے اور دوسرے حیوانوں کی پوجا، مذھبی نقطۂ نظر سے رائج ھے۔ ایک زمانے میں برطانیہ کے باشندوں میں بھی حیوانوں کی پرستش کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ چنانچہ جولیس سیزر نے، جبکہ وہ عارضی طور پر انگلستان میں مقیم تھا، یہ محسوس کیا تھا کہ برطانیہ میں بھی چند جانوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ مثلاً وہاں کے عوام خرگوش، مرغ اور قاز کو کھانا، گناہ سمجھتے تھے۔ ان چند جانوروں کا گوشت کھانے کی ممانعت سے ظاہر ہوتا ھے کہ غالباً یہ حیوانات کسی زمانے میں پوجے جاتے تھے، اور ان کی تعظیم اور عزت کی جاتی تھی، یا یہ ان قوموں پر ایک محافظانہ اور ساحرانہ اثر رکھتے تھے جو ان کو کھانے کے لئے ناموزوں سمجھتی تھیں۔

بعض چوپایوں اور پرندوں کا گوشت کھانے کی ممانعت کا تعلق دراصل نہایت قدیم زمانے کے نہایت شدید سماجی قانون اور قومی کفایت شعاری سے تھا۔ اور غالباً یہ بات قابل قیاس معلوم ہوتی ھے کہ قدیم زمانے کا انسان بھی ان ادنی جانوروں کو بالکل اپنے ہی جیسا سمجھتا تھا۔ اور وہ جانوروں کے متعلق کہا کرتا تھا کہ « ریچھ لوگ » وغیرہ۔ اور بعض صورتوں میں یہ یقین کرتا تھا کہ جن جانوروں کو ان کی سمجھ اور ذہانت کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا ھے، وہ دراصل ان کے قبیلہ اور قوم کے اسلاف میں سے تھے، اس قسم کے رشتہ اور تعلق کی بہت سی مثالیں ملتی ھیں۔ اور اس قسم کا مفروضہ یا روحانی رشتہ، اس خاص قسم کے حیوان کے تمام افراد کو اس قوم کی نظر میں بڑا متبرک اور مقدس بنا دیتا تھا۔ عام طور پر ان حیوانوں کو جان سے مارنے والوں کے لئے بڑے سخت قانون بنائے گئے تھے۔ البتہ بعض موقعوں پر، ان کو کھانا جائز سمجھا جاتا تھا۔ وہ محض اس خیال سے، کہ وہ حیوان ان میں بھی اپنی ممتاز خاصیتیں پیدا کردیں۔ یہ « نظریہ » بہرکیف، حیوانوں کی پوجا کے تمام وجوہات پر روشنی نہیں ڈالتا۔ قدیم زمانے کے انسان کے عقیدوں کے لحاظ سے حیوان صورت سرپرست، یا سرپرست حیوان، ایک نیم انسانی شکل میں ظاہر ہوتا تھا۔ مثلاً جسم آدمی کا سا ہو اور سر کسی پرندہ یا چوپائے کا۔ لیکن اکثر دوسری صورتوں میں چند حیوانوں کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ بعض دیوتاؤں کے

بہروپ میں ہوتے ھیں اور ان کی ذہانت ان کی چالاکی اور ہوشیاری، ان حیوانوں کے روپ میں زمین پر آتی ھے۔ اکثر اس بات کا یقین کرنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ھے کہ آیا کوئی دیوتا ایک حیوانی شکل میں ظاہر ہوا ھے، یا یہ کہ حیوانی شکل نے محض دیوتا کا روپ اختیار کرلیا ھے۔ اور یہ بات دیوتاؤں کی ان قدیم شکلوں کے ایک تقابلی مطالعہ سے، جو کہ قدیم تصویروں اور مجسموں میں ظاہر کی گئی ھیں، پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ھے۔ اس کے باوجود بہت سی صورتیں ایسی رہ جاتی ھیں جن کے متعلق قطعی تصفیہ کرنے کے لئے موزوں ثبوت نہیں ملتے۔

چنانچہ اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ جس بیل کو مصری دیوتا «آسی رس» کا نمایندہ تصور کیا جاتا تھا اس کے متعلق لوگوں کا یہ یقیدہ تھا کہ وہ زراعت کو زرخیز بناتا ھے اور ھندوستان میں ہاتھی کے سر والے «گنیش دیوتا» کے ساتھ جو چوہا، دکھایا جاتا ھے وہ اس دیوتا کی عقل اور دانائی کی دلیل سمجھا جاتا ھے۔ یہ بات بھی قرین قیاس معلوم ہوتی ھے کہ اُلو کو، جسے پالاس، ایتھنا یا منروا کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا، اس دیوی کی فراست کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ گو مشہور شاعر ہومر نے ایتھنا کو «اُلو کی آنکھ والی» کہہ کر تخاطب کیا ھے۔

قدیم مصر میں، دوسرے کسی ملک کے مقابلہ میں، مقدس اوو قابل تعظیم حیوانات، بہت کثرت سے موجود تھے۔ مثلاً بیل،

سانپ ، بلی ، مگر ، گھڑیال ، میمون (یعنی انسان نما بندر) ، دریائی گھوڑا (ہپو پوٹامس) کتا ، آئبس پرندہ ، بچھو اور مینڈک سبھی پوجے جاتے تھے ۔ یا کسی نہ کسی حیثیت سے ان کی اہمیت ضرور تھی جس تعظیم اور برائی کے حامل یہ حیوانات سمجھے جاتے تھے وہ غالباً ، بعض صورتوں میں ، نہایت قدیم وضع کی پرستش سمجھی جاتی تھی ، اور یہ حیوانات دریائے نیل کے اطراف کسی نہ کسی گوشے میں یا تو مقامی سرپرست کی حیثیت سے ، یا دیوتاوں کے اوتار کی حیثیت سے پوجے جاتے تھے ۔ اور جب وہ مرجاتے تو ان کا ماتم اس طرح کیا جاتا ، جس طرح کسی انسان کیلئے کیا جاتا ہے ، اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جو مصری نعش (یعنی ممی) کے ساتھ کیا جاتا تھا ۔ ایپس بیل ، مصر میں ، بہت قدیم زمانے سے ، مقدس مانا جاتا ہے اور ایسے ایپس بیل کی تلاش ، جو بچھڑا ہو بڑی توجہ اور محنت سے کی جاتی تھی ۔ کیونکہ اس میں تقدس کی وہ تمام نشانیاں موجود ہونی چاہئیں جو ایپس بیل کی خصوصیات ہیں ۔ مثلاً یہ کہ اسے سر سے پیر تک پوری طرح سیاہ ہونا چاہئے ، اس کی پیشانی پر ایک سفید چوکونی داغ ہونا چاہئے ، اور پیٹھ پر عقاب کی شکل کا نشان ۔ دم میں دوہرے بال اور زبان پر ایک بھونرے کا سا خاکہ ہو ، اور جب ایسا ایک بچھڑا مل جاتا تھا تو اسے ایک خوبصورت چمکیلی کشتی کے اندر بٹھا کر ، پانی کے راستہ سے ایک مقدس مقام ممفیس کو لے جاتے تھے ، جہاں اسے

ایک نہایت شاندار معبد (پرستش گاہ) میں رکھا جاتا تھا۔ اس کے لیٹنے اور بیٹھنے کے لئے نہایت قیمتی بستر لگائے جاتے تھے اور نہایت عمدہ اور تازہ و خستہ غذائیں کھانے کو دی جاتی تھیں، ایک متبرک کنویں کا پانی اسے پلایا جاتا تھا۔ ایک عام اصول کی حیثیت سے وہ انتہائی پوشیدہ اور علحدہ مقام پر رکھا جاتا تھا۔ اس کے اردگرد پجاریوں کا مجمع ہوتا تھا جن کے ساتھ گانے بجانے والے رہتے تھے، اور اس کی سالگرہ کی تقریب ہر سال سات دن تک منائی جاتی تھی۔ یہ مقدس اور متبرک بیل ایک نہایت غیر معمولی احترام و عزت کی زندگی بسر کرتا تھا، اور بڑے اور مشہور و ممتاز سیاح، جو مصر آتے تھے، اس کے "معبد" کو ضرور دیکھنے جاتے تھے۔ ایک موقع پر، جب اپیس بیل نے شہنشاہ جرمانی کس، کے ہاتھ سے غذا کھانے سے انکار کر دیا، تو اس سے یہ پیش قیاسی کی گئی کہ اس کی موت بہت جلد واقع ہوگی۔ اسی طرح جب ایک موقع پر اُس نے متواتر آوازیں نکالنی شروع کیں تو لوگوں نے یہ پیشین گوئی کی کہ شاہ آگسٹس مصر پر حملہ کریگا۔ مرنے کے بعد اپیس بیل ممفیس کے متبرک قبرستان میں دفن کر دیا جاتا تھا، اور غم و الم کی تمام مذہبی رسمیں ادا کی جاتی تھیں۔ جب اپیس بیل مرتا تھا تو یونانیوں کے عقائد کے مطابق، سمجھا جاتا تھا کہ وہ "آسی رس دیوتا" بنگیا ہے اور اس نے سیراپس دیوتا کا روپ اختیار کرلیا ہے، یہ ایک ایسا دیوتا تھا جس کی مذہبی رسم روم اور وہاں سے برطانیہ

تک جا پہنچی تھی - ہیلیو پولس کے مقام پر ایک دوسرے مقدس بیل «نیوس» کی پوجا اسی شان سے کی جاتی تھی -

بعض دوسرے مقامات ، مینڈس ، ہرمو پولس اور لیکو پولس میں مقدس بکرے کی پرستش کی جاتی تھی جس کو دیوتا «آکسی رس» اور «را» سے منسوب کیا جاتا تھا ، اور اس جانور میں بھی بزرگی اور تقدس کی مخصوص صلاحیتیں موجود تھیں - مگر مچھ ، کو سیبک دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا اور اس کو خشک سال یا خشک موسم میں اس طرح منایا جاتا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کھیتوں میں آزادانہ پھرے ، اور جو زندہ جانور اس کے راستہ میں آئے اسے وہ (یعنی مگر) کھا جائے - جھیل موری کے کنارے ، مگر ، نہایت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - یہاں کے لوگ ان پالتو اور مانوس مگروں کو زیورات پہناتے تھے اور بہترین غذائیں کھلاتے تھے ، اور مرنے کے بعد انکو ایک سرنگ کے اندر دفن کردیا جاتا تھا - چنانچہ اسڑابونے ، جس نے شہنشاہ آگسٹس کے زمانے میں مصر کا سفر کیا تھا ، مگر کی پوجا کے متعلق ایک بڑا دلچسپ بیان لکھا ھے - ہندوستان کے بعض مقامات پر «مگر» کو اب بھی متبرک سمجھا جاتا ھے -

لینٹو پولیس نامی ایک شہر میں شیروں کی پرستش اس لحاظ سے کی جاتی تھی کہ وہ حیوانوں کے سب سے بڑے محافظ اور سرپرست ھیں ، اور ان کو کھانے کے لئے زندہ بچھڑے دئے جاتے تھے -

بچھڑے ان کے غاروں کے اندر ڈال دئے جاتے تھے تاکہ وہ ان کو مار کر اپنی غذا بنالیں۔ اس طرح وہ بہت خوش اور مست رہا کرتے تھے۔ ان جانوروں کو محافظ دیوتا «آقر» سے موسوم کہا جاتا تھا، جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ صبح کے دروازوں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے مقدس ببر «یعنی شیف» اور «دوآ» (دوسرے الفاظ میں «کل» اور «آج») کو گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے دروازوں کا نگہبان تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن مصر میں بلی سے زیادہ کوئی دوسرا حیوان عزت اور پرستش کے لائق نہ تھا، جسکے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ اس میں سورج کی دیوی «بوباستس» کی روح حلول کرگئی ہے۔ اسکی مذہبی پرستش کی رسم کا آغاز غالباً (٩٥٤) قبل مسیح سے ہوا تھا، اور اس کی وجہ سے مصر کی تمام بلیوں کی خاص حفاظت کیجاتی ہے اس زمانے میں، مصر میں، بلی کو مارنے کی سزاء موت تھی۔ خواہ وہ اتفاق ہی سے کیوں نہ مرجائے۔ چنانچہ روم کے ایک باشندہ نے جب بلی کو مارنے کا جرم کیا تو اسے سخت سزا دی گئی۔ جب کوئی بلی مرجاتی تو اسکی ممی نہایت احتیاط سے بنائی جاتی، اور هیرودوتس کے بیان کے مطابق، اس کو اسکی دیوی کے شہر بوباس تس میں دفن کیا جاتا تھا۔ دریائی گھوڑا یعنی ھپوپوٹامس، دیوی، تاآرت، کا حیوانی نمائندہ کہا جاتا تھا۔ یہ دیوی گو محافظ سمجھی جاتی تھی لیکن اس میں اسکی پیدائشی خاصیت، یعنی خوفناک تباہ

کاری کے عناصر ، ابھی باقی تھے ۔ کتے نما سر کا میمون (انسان نما بندر) بھی مصریوں میں بہت مقدس سمجھا جاتا تھا ، اور اکثر مندروں اور معبدوں میں بندر رکھے جاتے تھے ۔ بالخصوص چاند کی دیویؤں کے مندر میں ۔ مثلاً تھیبیس کے مندر ، کھینسو میں ، اور یہ معبد ، کسی نہ کسی حیثیت سے متبرک سمجھا جاتا تھا اور اس کو عالم باطن میں ارواح کا رہنما خیال کیا جاتا تھا ۔ یہ تعلق اس جانور سے غالباً اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ عموماً یہ قبرستانوں میں پھرا کرتا ہے ۔ لیکن سانپ کی پرستش کرنے سے زیادہ لوگ اس سے ڈرا کرتے تھے ۔ مینڈک کی مذہبی پوجا کی رسم اس لئے ادا کی جاتی تھی کہ اسے بارآوری (یا قوت تولید) کی علامت سمجھا جاتا چنانچہ اسکی پوجا مصر کی قدیم مذہبی رسموں میں شامل تھی ۔

آئی بس پرندہ کی مذہبی پوجا بھی اہمیت رکھتی تھی ۔ یہ سارس کی قسم کا ایک پرندہ ہے (شکل ۔ ۴۱) جس کو دیوتا « تھا تھ » اور چاند سے منسوب کیا جاتا تھا ، اور اسکی پرستش کا صدر مقام ھرموپولیس تھا ۔ آئی بس پرندہ کو ، بالخصوص اس لئے قابل پرستش سمجھتے تھے کہ وہ سانپوں کو مار ڈالتا ہے ، اور یہ یقین کیا جاتا تھا کہ وہ کھاوتی پنکھ والے سانپوں سے ملتا اور ان کو مارتا ہے ، جو کہ عرب سے آکر مصر پر حملہ کرتے تھے ۔ ھیرودوتس نے ایک بڑی عجیب کہانی بیان کی ہے جس میں وہ بتاتا ہے کہ کس طرح بہار کے موسم میں آئی بس پرندہ ایک غار کے دھانے پر

کھڑا ہو جاتا ھے جس میں سے پنکھ والے سانپ نکلتے ھیں اور اس طرح یہ پرندہ ان کا راستہ روکتا اور ان کو مارتا جاتا ھے۔

سارس کے خاندان کا ایک اور پرندہ ، جسکو « بینو » کہتے تھے ، اسی طرح قابل احترام و پرستش سمجھا جاتا تھا۔ اس کو غیر فانی سورج دیوتا کی طلوع ہونیوالی شعاعوں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ باز بھی ، اسی رس اور را دیوتاؤں کی نظر میں مقدس مانا جاتا تھا ، کیونکہ یہ اس کو سورج دیوتا ، اور دوبارہ جنم لینے والی انسانی روح سے منسوب کرتے تھے۔

ھیلینی دور میں ، حیوانوں کی پوجا ، بڑے زور و شور سے ہوا کرتی تھی۔ اس بات کا زیادہ امکان سمجھا جاتا ھے کہ مصریوں کی مذھبی عبادت کا یہ طریقہ یونانی دور حکومت میں زیادہ شدید ہوگیا تھا ، کیونکہ ایک مورخ ، اسٹرابو نامی ، نے شہنشاہ آگسٹس کے زمانے میں لکھا ھے کہ مقدس جانوروں کے مجسموں نے عملی حیثیت سے دیوتاؤں کی جگہ لے لی تھی۔ مقدس بکرے کو فاتح اور مفتوح مندیس کے معبد میں اسی طرح پوجتے تھے ، جس طرح کہ ایپس بیل اور « مگر » کی پوجا ہوتی تھی۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات معبدوں کی آمدنی میں جبکہ ان حیوانوں کی عوام میں نمایش کی جاتی تھی ، بہت اضافہ ہو جاتا تھا۔ البتہ یورپی۔ یونانی باشندے مصریوں کی اس رسم سے نفرت کرتے تھے۔ برطانیہ میں بھی متعدد جانوروں کی پوجا کی جاتی تھی ، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ھے ،

اور مختلف قبیلوں کے نام انہیں حیوانوں سے منسوب کئے جاتے تھے۔ چنانچہ « آئیرستانی ، هیروء دیوتا کچولن » بیل سے منسوب کیا جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح جسے هندوستان کا اِندر دیوتا اور یونان کا بیکس دیوتا ، اسی جانور سے منسوب کیا جاتا هے۔

هندوستان میں مقدس حیوان ، دیوتاوں کے اوتار کی حیثیت سے ، اتنا نہیں پوجے جاتے جتنا که مصر میں ، بلکه اس لحاظ سے ان کی پرستش زیادہ کی جاتی هے که دراصل ان میں انسان کی روح حلول کی ہوئی ہوتی هے جیسا که مسئله تناسخ (یا آواگون) هے۔ بدھ مذہب کے نقط نظر سے تمام حیوانات متبرک اور پوتر هیں ، اور چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کی جان لینا بھی گناہ سمجھا جاتا هے۔ لیکن هندو مذہب کے عقائد کے لحاظ سے بعض حیوانوں کے متعلق یه خیال کیا جاتا هے که وہ کسی زمانے میں دیوتاؤں کے « خاکی » اوتار تھے اور اس لئے ان کی پوجا کی جاتی هے۔ تمام گائیں اسلئے متبرک اور پوتر سمجھی جاتی هیں که ان کا تعلق سری کرشن جی سے تھا۔ اسی طرح ہاتھی کی تعظیم بھی اس لئے کی جاتی هے که اس کو گنیش دیوتا سے منسوب کیا جاتا هے۔ جو « علم کا دیوتا » هے۔ لوگ سانپ سے ، جس کو بادل کے دیوتا سے منسوب کرکے پوجتے هیں ، زیادہ ڈرتے هیں۔ لیکن حیوانوں کی پوجا کی قدیم رسمیں اب هندوستان میں روز بروز گھٹتی اور کم ہوتی جارہی هیں۔

امریکه کے بعض قدیم باشندوں میں اب بھی بعض نہایت

ابتدائی زمانہ کی مذہبی رسمیں پائی جاتی ہیں، اور اس بات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ وہ لوگ یا تو بعض جانوروں ہی کو پوجتے یا ان کو اوتار سمجھتے تھے - شمالی اور جنوبی امریکہ کی بعض قومیں پہلے بھی یہ عقیدہ رکھتی تھیں اور اب بھی کہ حیوانات کی مختلف قسمیں، مثلاً ھرن، پرندے اور مچھلیاں وغیرہ ایک بڑے اور مقدس ھرن، ایک فیل مرغ، اور ایک مقدس مچھلی کی نگرانی میں رہتے ھیں اور یہی حکمران، حیوانات کو انسان کی غذا کیلئے بھیجتے رہتے ھیں - لیکن ان جانوروں کے مارے جانے سے پہلے یا بعد وہ خود بھی اسکے خون کو چکھتے ھیں - مثلاً نیو میکسیکو کی ایک قوم « زونی » ھرن کے دیوتا کے متعلق یہ خیال کرتی تھی کہ وہ ھرن کے مارے جانیکے بعد ہی مرنیوالے ھرن کے خون سے اپنے ھونٹوں کو سرخ کرلیتا ھے - یہ بات دیوتاؤں کی پیدائش پر خاص روشنی ڈالتی ھے، اور یہ ہوسکتا ھے کہ حیوانی دیوتاؤں کے اس خیال نے، کہ وہ غذا بھیجنے والے یا پیدا کرنیوالے ھیں، قدیم وحشیوں کو بعض جماعتوں کے دیوتاؤں کی پرستش پر آمادہ کیا - گو یہ بات ان حیوانوں کی پرستش پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکتی، جو غذا پیدا کرنیوالے نہیں تھے -

قدیم امریکہ میں، بعض قسم کے حیوانوں کی خاص عزت کیجاتی تھی، کیونکہ وہ ان کے دل میں خوف و دہشت پیدا کرتے تھے - امریکہ کے سرخ ھندوستانی امریکی، مگر کی پوجا کرتے اور

اسے کبھی نہ مارتے تھے۔ بولیویا کی ایک قوم موکسی، امریکی چیتے کی پرستش کرتی اور ان لوگوں کو پوجاری مقرر کرتی تھی جو اس چیتے کے پنجے سے بچ نکلے ہوں۔ وسطی امریکہ کی قوم مایا اور کیشے بھی اس چیتے کو بہت مانتی تھی۔ اور جب کبھی کوئی چیتا ان میں سے کسی کو جنگل میں نظر آتا تو وہ خاموشی سے گھٹنوں کے بل جھک جاتا، اور اپنی قسمت کے فیصلہ کا انتظار کرتا تھا۔ کیونکہ اس جانور کو مارنا گناہ سمجھتا تھا۔ قدیم میکسیکائی اور مایا اقوام چمگاڈر کی بھی پرستش کرتی تھیں، کیونکہ وہ اسے «مخفی دنیا» کا دیوتا سمجھتی تھیں اور اسکا سر انسانی جسم میں لگاتی تھیں، بالکل اسی طرح جیسے مصری، انسان کے سروں میں بکرے اور گیڈر کا سر لگاتے تھے اور ان کے مجسمے بناتے تھے۔ جن غاروں میں چمگاڈریں رہتی تھیں ان کو بہت متبرک اور مقدس سمجھا جاتا تھا اور ان کے مکینوں کو کبھی پریشان نہ کیا جاتا تھا۔

ان حیوانات کے علاوہ اُلو، مینڈک، کچھوا اور متعدد دوسرے جانوروں کی پوجا، قدیم امریکہ میں ہوا کرتی تھی اور ساحلی مقامات کے باشندے شارک مچھلی کو بھی متبرک اور پوتر مانتے تھے۔ ان کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان جانوروں میں خاص ذہانت، ہمت اور پیدائش کی خاصیتیں موجود ہوتی ھیں۔ بعض حیوانات کو عام طور پر «مقدس» یعنی تعظیم اور عزت کے قابل سمجھا جاتا ھے۔ اس کی وجہ یہ ھے کہ وہ خاص تہواروں اور تقریبوں کے موقعہ پر

عوام یا حکومت کی جانب سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً برما کے سفید شاہی ہاتھی عموماً « مقدس » خیال کئے جاتے تھے، جو صرف جلوس یا میلے میں نکالے جاتے تھے۔ اس غرض سے وہ الگ خاص اہتمام کے ساتھ رکھے جاتے تھے۔ روم کے باشندے « زہرہ دیوی » کی فاختہ کو بہت متبرک سمجھتے تھے، اور ایک فاختہ کو بھی مارنا ان کے نزدیک بہت بڑا جرم اور گناہ تھا۔ یہ دوسری قسم کے متبرک اور مقدس حیوانوں کی مثالیں ہیں جو کسی دیوی یا دیوتا سے منسوب کئے جاتے تھے۔ محض اس مفروضہ و مشابہت کے پیش نظر، جو کہ اس حیوان اور دیوتا میں پائی جاتی تھی۔ اس طرح اپالو دیوتا کے چوہے، بیکس دیوتا کے تیندوے، « جو » دیوتا کے عقاب اور « اوڈن » دیوتا کے « کوے » خاص طور پر قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ برطانیہ میں بھی اس قسم کی پرستش کی مثالیں ملتی ہیں۔ پرانی تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک برطانوی کبھی کسی کوے کو نہماریگا، کیونکہ ان کے اسلاف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ شاہ آرتھر نے مرنیکے بعد اسی قسم کے ایک پرندے کی شکل اختیار کرلی تھی۔ یہ ایک نہایت عمدہ مثال اس بات کی ہے کہ پرندے کسی نہ کسی صورت میں برطانیہ کے دیوتاؤں سے منسوب کئے جاتے تھے۔

تیرھواں باب

جنگ میں حیوانات کا حصہ

بہت ہی کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ حیوانات جنگ میں کتنا بڑا اور اہم حصہ لیتے ھیں، اور ہم یہ جاننے کے بعد افسوس کرتے ھیں کہ اس کام میں بہت سے حیوان شدید جسمانی تکلیفیں اٹھاتے اور موت کا نشانہ بن جاتے ھیں، اور یہ سب ایک ایسے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ھے جس میں خود ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن جنگ میں ان سے جو اعانت اور امداد انسان کو ملتی ھے اس کو نہ تو فراموش اور نہ ان کے احسان کو نظر انداز کیا جاسکتا ھے۔

پہلی جنگ عظیم کے زمانے پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جنگ میں گھوڑے، خچر، اونٹ، کتے، چوہے، کبوتر اور کناری سے بہت کام لیا گیا تھا، اور گو وہ اس جنگ میں نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے، تاہم ان کی زندگی خطروں سے گھری ہوئی تھی، اور اس میں ان کی جانیں بھی بہت تلف ہوئیں۔

جب سنہ ١٩١٤ء میں جنگ شروع ہوئی تو برطانیہ کی فوج میں تقریباً پچیس ہزار گھوڑے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انکی تعداد بڑھتی گئی

اور سنہ ۱۹۱۸ء میں تو گھوڑوں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس میں وہ گھوڑے شریک نہیں ھیں جو جنگ میں مارے گئے، یا بیماری سے فوت ہوگئے۔

جنگ شروع ہونے کے بعد مختلف ملکوں سے گھوڑے منگوائے گئے جن میں شمالی اور جنوبی امریکہ، آسٹریلیا، نیوزیلینڈ، ھندوستان، جنوبی افریقہ، اسپین اور پرتگال شامل ھیں لیکن یہ گھوڑے، جنگی تعداد بہت زیادہ تھی، تربیت یافتہ نہ تھے اور جنگ میں جانے سے قبل ان کو بہت زیادہ تربیت دینے اور سدھانے کی ضرورت تھی، تاکہ وہ تلواروں کی جھنکار، بندوقوں کی آواز اور توپوں کی گرج سے ہراساں نہ ہوں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ھے کہ جنگ میں گھوڑوں کی فوج کس قدر کارآمد ثابت ہوئی۔

گھوڑوں کے علاوہ باربرداری میں، خچروں سے بھی غیر معمولی کام لیا جاتا ھے۔ چنانچہ جنگ عظیم میں، برطانیہ اور فرانس کو ان خچروں سے جو سہولت اور آرام ملا وہ فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اور سچ پوچھئے تو فتح اور کامیابی میں ان کی امداد کا بڑا حصہ تھا۔ دوران جنگ میں تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار خچر دوسرے ملکوں سے یورپ لائے گئے تھے۔ خچر کی خاصیت نہایت عجیب ہوتی ھے، یعنی اس کی فطرت میں سرکشی، شرارت اور کام کرنے کا رجحان ملا جلا ہوتا ھے، اور یہ، بہ نسبت، گھوڑوں کے، جنگ کی ہنگامہ آرائیوں کی طرف سے بالکل بے پرواہ

رہتا ہے ، اسے کسی بت سے خوف اور دہشت محسوس نہیں ہوتی ، حیوان کی دوسری بڑی خوبی ، جو اس کو گھوڑے پر ترجیح دیتی ہے ، یہ ہے کہ وہ زیادہ گرمی اور سردی کو برداشت کر سکتا ہے ۔ دوسرا حیوان ، جو « حضرت داؤد پیغمبر » کے زمانے سے جنگ میں استعمال کیا جاتا رہا ہے ، اونٹ ہے ۔ جنگ فرانس میں نپولین نے بھی اس سے کام لیا تھا ۔ اس حیوان کی تیز رفتاری ، ماحول کے تغیرات اور تبدیلیوں کو برداشت کرنے ، اور ریگستان میں آسانی سے سفر کرنے کی صلاحیتوں کو فرانسیسیوں نے بخوبی محسوس کر لیا تھا ۔ چنانچہ جب انہوں نے الجیریا پر حملہ کیا تو اونٹ سے بڑی مدد ملی تھی ۔ اس طرح جب سوڈان (افریقہ) میں برطانوی اور مصری افواج میں تصادم ہوا تو اس وقت ، بیکانیر (ہندوستان کی ایک سابقہ ریاست) کی بھیجی ہوئی اونٹوں کی فوج نے بہت کامیابی حاصل کی تھی ۔

اگر اونٹ کو چلنے پر مجبور کیا جائے تو وہ اپنی پیٹھ پر سواری کے علاوہ ایک ہفتہ کیلئے کھانے پینے کا سامان لیکر بلا تھکے ہوئے ، ایک دن میں (۷۰ سے ۸۰) میل تک کا لانبا سفر طئے کر سکتا ہے ۔ اس کو گھوڑے کی طرح لگام کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کی ناک میں ایک نکیل باندھی جاتی ہے جس کے اشاروں پر یہ کام کرتا ہے ۔ یہ نہایت سیدھی اور سادہ طبیعت کا جانور ہے اور خواہ اس سے کتنا ہی اچھا سلوک کیوں نہ کیا جائے ، اپنے آقا سے مانوس نہیں ہوتا ۔

گو موجودہ دور میں ہاتھی سے جنگ میں کام نہیں لیا جاتا، لیکن نہایت قدیم زمانے میں، یہ حیوان بھی جنگ میں بہت اہم حصہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ پرانے زمانے کے ایک بادشاہ، « اینٹی اوکس ایپی فینیس » نے، یروشلم کی مہم میں، پیدل سوار اور فوج کے علاوہ ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد شامل کی تھی۔ مشہور مورخ پلوٹارک کا بیان ھے کہ جنگ میں ہاتھیوں کو اس بات کی تربیت دی جاتی تھی کہ وہ شکست کھائی ہوئے فوج کو ٹانگوں سے روند کر مار ڈالیں۔ جنگ میں حصہ لینے والے ہاتھیوں کے تمام جسم کو، سر سے پیر تک، لوہے کی زرہ سے ڈھک دیا جاتا تھا۔ یہ زرہ لوہے کی موٹی تختیوں پر مشتمل ہوتی تھی، جو چھلوں اور زنجیروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑی رہتی تھیں اور یہ سب اس لئے ہوتا تھا کہ گھوڑے ان سے خوفزدہ ہوجائیں۔ جنگ میں ہاتھیوں کی اہم اور آخری شرکت جنگ افغان (۱۸۷۸ء تا ۱۸۷۹ء) میں ہوئی تھی جو « پےیر کوٹال » میں لڑی گئی تھی۔ ہاتھی کو اب بھی جنگ میں استعمال کیا جاسکتا ھے، لیکن جنگ کی گھما گھمی اور شور و غل سے وہ سخت پریشان ہوجاتا ھے اور اس کو قابو میں رکھنا بہت دشوار کام ھے۔ یہی وجہ ھے کہ موجودہ دور کی جنگ میں ہاتھیوں کی بجائے گھوڑے اور اب تو صرف موٹروں سے کام لیا جاتا ھے۔

جنگ میں کتوں سے کام لینا ایک قدیم رواج چلا آرہا ھے، اور قرون وسطی میں تو کتوں کو باقاعدہ زرہ پہنا کر جنگ میں بھیجا

جاتا تھا۔ چنانچہ کتوں کی زرہ کا نمونہ لندن ٹاور میں اب تک شہادت کے طور پر موجود ہے۔ تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہنری ہشتم، شاہ انگلستان، نے فرانس سے جنگ کرنے کے زمانے میں شکاری کتوں کی ایک کثیر فوج تیار کی تھی اور ملکہ الزبتھ کے زمانے میں ایک صوبہ دار کے پاس آٹھ سو شکاری کتوں کی فوج تھی۔

قدیم زمانے میں جنگی کتے۔ یونان کی فوج میں بھی شامل تھے۔ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہوگا کہ بلجیم میں کتے گاڑیوں کو کھینچتے ہیں۔ لیکن یہ بات زیادہ مشہور نہ ہو سکی کہ جنگ عظیم میں، کتے چھوٹی توپوں کو بھی کھینچتے تھے۔ جنگ میں ان کتوں کا اہم کام صلیب احمر سے تعلق رکھتا ہے۔ جبگ میں تین قسم کے کتے زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ کولی، ایرڈیل اور بلڈ ہاؤنڈ کہلاتے ہیں۔ جنگ میں بھیجنے سے پہلے ان کی تربیت بڑی توجہ اور محنت سے کی جاتی ہے اور ان کو زخمیوں کو تلاش کرنے، پانی پلانے، زخموں پر باندھنے کی پٹیاں اور دوسری چیزیں لانے اور لے جانے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور یہ سب سامان ان کی پیٹھ پر باندھ دیا جاتا ہے۔ رات کے وقت وہ اپنی آواز سے متلاشیوں کو دوسرے زخمیوں کا پتہ بتاتے ہیں۔

جنگ میں کبوتروں کا، استعمال موجودہ زمانے میں جنگ کی ایک اہم خصوصیت سمجھا جاتا ہے، اور آج کل کوئی بھی فوج ایسی نہیں جس کے ساتھ کبوتروں کی خاصی تعداد موجود نہو۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سراسنیوں نے کبوتروں کو پیامبری کے لئے جنگ میں استعمال کرنا شروع کیا۔ اس کے جواب میں عیسائی کمانڈروں نے باز پالنے اور ان کو اس بات کی تربیت دینی شروع کی کہ وہ ان پیام رساں کبوتروں کو پکڑ کر مار ڈالیں۔

کہا جاتا ہے کہ « فرانسیسی پرشیائی » جنگ کے زمانے میں ، کبوتر غیر معمولی کارآمد ثابت ہوے تھے۔ اور جب پیرس کا محاصرہ کیا گیا تھا ، تو کبوتروں کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ سرکاری خطوط اور تقریباً دس لاکھ خانگی خطوط مختلف مقامات پر بھیجے گئے تھے۔

جنگ کے زمانے کے کاغذات اور اخباروں کے بعض مضامین کبوتروں ہی کے ذریعہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاے جاتے تھے۔ اور جب یہ کبوتر اپنی منزل مقصود پر پہنچتے تھے تو اس بات کو بطور ریکارڈ (یادداشت) درج کرلیا جاتا تھا کہ یہ پیام کبوتر کے ذریعہ وصول ہوا ہے۔

کبوتروں کی اپنے گھر کو پہنچاننے کی خاصیت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے ، کہ ایک مرتبہ ، جنگ کے زمانے میں ، ایک محصورہ شہر کے کسی شخص نے ایک پیام ، کبوتر کے ذریعہ روانہ کیا۔ لیکن وہ کبوتر اتفاق سے دشمن کے کسی افسر کے ہاتھ پڑگیا ، جس نے اسکو دس سال تک قید رکھا اور اسکے بعد جب وہ چھوٹا تو اپنے سابقہ گھر کو واپس آگیا۔

تمام کبوتر پیام رسانی کے لئے کار آمد نہیں ہوتے بلکہ یہ خاص قسم کے کبوتر ہوتے ھیں جو «پیامبر» کہلاتے ھیں (شکل - ۴۲) ان کی پرواز کی رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ ہوتی ھے - گو یہ اوسط پرواز سے بہت زیادہ ھے لیکن زیادہ مدت تک یہ رفتار قائم نہیں رکھی جا سکتی -

سنہ ۱۹۱۳ء میں پیامبر کبوتروں میں سے ایک کبوتر کے متعلق بیان کیا جاتا ھے، (جسکا نام روم کا شہزادہ تھا) کہ ایک مرتبہ شرط کے ساتھ اڑایا گیا - چنانچہ وہ اٹلی کے دارالسلطنت روم سے پرواز کر کے ایک ہزار تریانوے میل کا لمبا سفر طے کر کے ڈرہم پہنچا -

پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں، پیامبر کبوتر خشکی اور سمندر، دونوں پر پیام رسانی کے لئے استعمال کئے جاتے تھے - چنانچہ، جنگ کے زمانے میں، سمندر میں ساحل سے بہت دور پڑے رہنے والے جہازوں اور کشتیوں پر ملاح اور ناخدا، انہیں کبوتروں کے ذریعہ اپنے گھروں کو پیام روانہ کرتے تھے -

ایک مرتبہ برطانیہ کی ایک آبدوز کشتی کو، جس نے جرمنی کی ایک نگہبان کشتی کو گرفتار کر لیا تھا، امداد کی ضرورت تھی - چنانچہ ایک کبوتر نے پیام رسانی کی اور آبدوز کشتی کے لئے امداد آ گئی - کبوتروں کی ایسی ہی پیام رسانی سے جنگ عظیم میں سیکڑوں انسانوں کی جانیں بچائی جا سکیں -

جرمنی نے « پیامبر » کبوتروں کے متحرک گھر بنائے تھے - جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجائے جا سکتے تھے - جنگ عظیم میں اس قسم کی ایک گاڑی برطانوی فوج نے گرفتار کی تھی، جو ابتک ریجنٹ پارک ، لندن ، میں رکھی ہوئی ھے (شکل - ٤٢)

ایک دوسرا ، نہایت مفید پرندہ ، کناری ھے - جس نے جنگ میں بھی اعانت کی تھی - یہ پرندے آبدوز کشتیوں میں رکھے جاتے تھے اور بڑے حساس ہوتے تھے ، اور جب سرنگ لگائی جاتی تھی تو وہاں کی ہوا کی کثافت اور زہریلے پن کو محسوس کرکے فوراً ملاحوں کو آگاہ کر دیتے تھے - تاکہ حالات خطرناک ہونیسے قبل وہ لوگ وہاں سے ہٹ جائیں - اس کام کے لئے سفید چوھے بھی استعمال کئے جاتے تھے -

قاز ، یعنی بڑی بطخ ، کے متعلق کسی کو یقین نہ آئے گا کہ وہ بھی جنگ میں مفید ثابت ہوسکتی ھے - لیکن بہت قدیم زمانے میں یہی قاز سلطنت روما کو بچانے کا باعث ہوئی - ایک مرتبہ جب غالوں نے روم پر حملہ کیا تو غنیم کی فوج کے کچھ لوگ دارالسلطنت کی پہاڑی پر اس طرح دبے پاؤں چڑہ گئے کہ ان کے سردار کو چوٹی پر پہنچتے ہوئے کسی نے بھی نہ دیکھا ، اور جب وہ وہاں سے دوسری فصیل کی سمت جانے لگا تو ایک قاز کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ شور کرنے لگی - اسکے شور کو سنکر وہاں کا ایک افسر پہاڑی کی چوٹی پر چڑہ گیا اور غنیم کی فوج کے سردار کو جو اوپر پہنچ

گیا تھا مار کر ہلاک کر دیا ، اور اس طرح ، دارالسلطنت دشمنوں کے قبضہ سے بچ گیا ۔

اس سلسلہ میں ایک مچھلی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ، جو سنہری مچھلی یا گولڈ فش کہلاتی ھے ، اس مچھلی کو انسان کے فائدہ کی خاطر نہ صرف تکلیف اٹھانی پڑی ، بلکہ آخر میں جان تک دینی پڑی ۔ وہ اس طرح کہ ایک مقام پر اینٹی گیس ماسک ، جو زہریلی گیس سے بچاؤ کی خاطر استعمال کئے گئے تھے ، پانی میں ڈالدئے گئے ، اور اس کے بعد سنہری مچھلیوں کو اس پانی میں رکھا گیا ۔ چنانچہ اس پانی میں جانیکے بعد یہ مچھلیاں بہت دیر تک تڑپتی رہیں اور بعض ، چند منٹ کے بعد ، مر گئیں ۔ اس سے گیس کی نوعیت کا اندازہ ایک حد تک کیا جا سکتا تھا ۔

چودھواں باب

تہذیب کے دشمن حیوانات

جب ہم کہتے ہیں کہ بعض حیوانات انسانی تہذیب کے دشمن ہیں، تو اس سے مراد وہ حیوان ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کی دو بہت ضروری اور نہایت اہم چیزوں کو تباہ و برباد کردیتے ہیں۔ یہ دو چیزیں اناج اور تندرستی ہیں۔ اگرچہ کہ ان دو کے علاوہ انسانی ضروریات کی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کو حیوانوں سے شدید نقصان پہنچتا رہتا ہے۔ اگر انسانی زندگی کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے سے، جبکہ وہ وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا، آج تک اس نے اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے اور ہر طرح کا آرام مہیا کرنے میں جو کوشش اور محنت کی ہے، اور اس طول طویل زمانے میں اس کی تہذیب اور تمدن میں جو غیر معمولی ترقی اور عروج ہوا ہے اس کے مختلف پہلوؤں کو بعض قسم کے حیوانوں کے پے در پے حملوں سے نقصان پہنچتا رہا ہے، اور وہ اس کو عجیب عجیب طریقوں سے تباہ و برباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ نہایت قدیم زمانے کا انسان، پہلے جنگلوں اور غاروں میں رہتا تھا، اور جنگل کے پھل اور جڑی بوٹیوں پر زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ نہ تو شکار ہی کرنا جانتا تھا نہ کھیتی باڑی اور نہ اپنی حفاظت

ہی کر سکتا تھا۔ اس طرح اس کی زندگی بعض دوسرے حیوانوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس وحشی انسان نے اپنے دماغ پر بار ڈالنا شروع کیا اور غذا کے لئے پھندوں سے شکار کرنے کا طریقہ نکالا اور اس کے بعد ہتیار بنانا سیکھا۔ اور اس کے بہت زمانے بعد وہ کھیتی باڑی اور زراعت کرنے کے قابل بن سکا۔ زراعت سے اسے بہت فائدہ ہوا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کھیتی اور اس کی پیداوار کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بہت سے دشمن پیدا ہوگئے، اور یہ دشمن زیادہ تر چھوٹے چھوٹے حیوانات ہیں، جن کو حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے (انسکٹس) کہا جاتا ہے۔

جیسے جیسے انسان کی دماغی صلاحیت اور قابلیت بڑھتی گئی اسکی ایجادوں اور تعمیری کاموں میں ترقی ہوتی گئی۔ اس نے کپڑا بننا سیکھا اور لکڑی اور دھاتوں کے آلات اور بعض دوسری ضروریات کا سامان بنایا اور پھر باربرداری کے لئے مویشی وغیرہ بھی پالے۔ لیکن یہاں بھی کیڑے اس کے کپڑوں اور اس کی لکڑی، سمور اور اون کے سامان کو تباہ و برباد کرنے لگے اور اس سے زیادہ یہ کہ بعض کیڑے اس کی دستکاریوں کو تباہ کرنے کے علاوہ اس کے مویشیوں میں طرح طرح کی بیماریاں داخل کر کے سیکڑوں کی تعداد میں ان کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔

اس حد تک بھی یہ مسلہ اتنا خطرناک نہ تھا، لیکن رفتہ رفتہ چھوٹے چھوٹے جانور، خود انسان کی زندگی کے دشمن بن گئے اور

اب اسکو اپنی جان بچانا بھی دوبھر ہوگیا۔ ان چھوٹے، ننھے، حقیر اور بعض صورتوں میں آنکھ سے نظر نہ آنے والے حیوانوں نے انسانی زندگی کی تباہی اور انسانی تہذیب کی بربادی میں جتنا اہم اور بڑا حصہ لیا اتنا کسی اور بڑے سے بڑے جانور نے بھی نہیں لیا۔

آج سے غالباً ایک سو سال پہلے تک اکثر لوگوں کو اس بات کا احساس تک نہ ہوتا تھا کہ بعض ایسے حیوانات بھی موجود ہیں جو درپردہ انسان کو بڑا زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اگر اس زمانے کے کسی مدرسہ کے طالب علم سے پوچھا جاتا کہ حیوانوں میں انسان کے سب سے بڑے دشمن کون سے ہیں تو وہ صرف انسان کو مارنے والے، شیر، چیتے، یا زہریلے سانپوں کا نام لیتا۔ انکے علاوہ دوسرے نقصان رساں حیوانات اسکی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے۔ اس سے زیادہ اگر وہ کسی اور کا ذکر کرتا تو شاید ٹڈی دل کا نام لیتا جو زراعت اور کھیتی باڑی، پھول اور پھل اور درختوں کو بے حساب نقصان پہنچاتے ہیں۔

لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ انسانی تہذیب روز بروز ترقی کرتی جارہی ہے، پچھلی صورت بالکل بدل چکی ہے۔ اب ہم اخباروں اور کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ صرف ایک ننھا سا حقیر اور کمزور روئی کا کیڑا، تمام دنیا میں ہر سال کروڑں روپیوں کی روئی کا نقصان کرتا ہے۔ چنانچہ اس نقصان کا اندازہ اسی ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ صرف ممالک متحدہ امریکہ کو ہر سال اس کیڑے کی وجہ سے

روئی کی تجارت میں چالیس کروڑ پونڈ کا گھاٹا ہوتا۔ امریکہ کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ اب تک کسی دوسرے ملک نے ان کیڑوں سے ہونے والی تباہی کا نہ تو اتنا ٹھیک اندازہ لگایا ہے اور نہ ان کیڑوں کی روک تھام کے لئے کوئی باقاعدہ مہم شروع کی ہے۔

زراعت اور کھیتی وغیرہ کو نقصان پہنچانیوالے کیڑوں (یعنی حشرات) سے زیادہ خطرناک دراصل وہ کیڑے ہیں جو خود انسان کی جان اور تندرستی کے دشمن ہیں، اور جن سے دنیا کے ہر حصہ میں ہر سال لاکھوں جانیں تلف ہوتی رہتی ہیں۔

ان کیڑوں میں جو انسان کی جان کے سب سے بڑے دشمن سمجھے جاتے ہیں، ہم سب سے پہلے ملیریائی مچھر کا ذکر کرینگے، جس سے ملیریائی بخار پھیلتا ہے۔ ذرا سا غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ دراصل کیڑے ہی انسان کی تہذیب اور اسکی صنعتوں اور ترقیوں کے دشمن ہیں اور اسطرح زمین پر دراصل انسان کے مدمقابل یہی ہیں، اور انہیں سے اسے سخت لڑائی لڑنی ہے۔ ان کیڑوں کی زندگی کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ یہ زمین کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں اور وہاں کی آب و ہوا میں جو تبدیلیاں پائی جاتی ہیں ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیتے ہیں۔

ملیریائی بخار کے جراثیم کو سر رانلڈ راس نے ملیریائی مچھر کے اندر سب سے پہلی بار دریافت کیا، جبکہ وہ سکندرآباد۔ دکن

میں اپنی فوج کے ساتھ میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے مقیم تھے۔ راس نے تحقیق کر کے یہ بات ثابت کی کہ ملیریائی بخار کے جراثیم ایک خاص قسم کے مچھر میں پرورش پاتے ہیں جس کو انافلیس مچھر کہا جاتا ہے، اور جب یہ مچھر انسان کو کاٹتا ہے تو بخار کے جراثیم انسان کے خون میں پہنچ کر خون کے سرخ ذروں کو کھا کھا کر تباہ کر دیتے ہیں، اور اس طرح انسان، ملیریائی بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بخار گرم ملکوں میں عام طور پر ہر زمانے میں موجود رہتا ہے۔ کبھی کم اور کبھی زیادہ۔ ملیریائی بخار کی روک تھام کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ مچھروں کو پوری طرح تباہ کر دیا جائے۔

ملیریائی بخار کی طرح پھیلنے والی ایک بیماری، افریقہ میں عام طور پر پائی جاتی ہے، جسکو نیند کی بیماری (یعنی «مرض نرم») کہا جاتا ہے یہ ایک خون چوسنے والی مکھی کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے جسکو سی سی مکھی کہتے ہیں۔ یہ نہ صرف انسان بلکہ مویشیوں، حتی کہ دریائی مگر اور بعض دوسرے حیوانوں کو بھی کاٹتی اور ان میں بیماری پھیلاتی ہے۔ اس بیماری کے اصل جراثیم ٹرپنوسوم کہلاتے ہیں جو سی سی مکھی کے منہ سے انسان کے خون میں پہنچتے ہیں۔ نیند کی بیماری سے لاکھوں حبشی اور یورپی ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس بیماری سے اچھا ہونا محال ہے۔ ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اس مکھی کو اتنی آسانی سے ہلاک نہیں

کیا جا سکتا ، جتنی آسانی سے مچھر کو کر سکتے ہیں۔ اس مکھی کی کثرت اور تباہ کاریوں کی وجہ سے ابتک افریقہ کے اکثر حصوں میں زراعت اور نوآبادیات کا کام شروع نہیں کیا جا سکا۔

انسانی تندرستی کے ان دو دشمنوں کے علاوہ ، بیشمار حشرات (کیڑے مکوڑے) ایسے ہیں جو مختلف قسم کی زراعت ، پودوں ، پھل ، پتوں ، جڑوں اور بیجوں کو کھا کر یا ان میں سوراخ کرکے انکو برباد کرتے ہیں۔ ایسے کیڑوں میں بھونرے ، پتنگے ، چوبی جوں، چوبی کھٹمل ، ان کیڑوں کے پہلروپ یا کمبل کے کیڑے ، دیمک ، جھینگر ، ٹڈے ، گھن اور ٹڈی دل وغیرہ شامل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انسانی تہذیب اور صنعت کے اکثر خطرناک دشمن ، وہ حیوان ہیں جنہوں نے انسان کی گوناگوں مصروفیتوں اور کاروبار کی وجہ سے طاقت اور قوت حاصل کی ہے ، یا یہ کہ آدمی کی لاپروائی اور بے توجہی کی وجہ سے ان میں نقصان پہنچانے کی قابلیت بڑھ گئی ہے ، اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ « قدرت میں توازن » قائم نہ رہ سکا۔ اسکے ثبوت میں بعض دودھ پلانیوالے حیوانوں (میمل) کا نام لیا جاسکتا ہے ، جو انسان کے جانی دشمن ہیں۔ ان میں سب سے پہلے چوہوں کو شامل کیا جاتا ہے جو آج بھی دنیا کے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اسی طرح خرگوش بھی ہیں جن کی کثرت آج اسٹریلیا کیلئے ایک زبردست اور مستقل مصیبت بن گئی ہے اور زراعت کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

خرگوش کے علاوہ ، اسٹریلیا اور ہندوستان میں بھی بعض پھل کھانیوالے چمگاڈر ہیں جن سے پھل کے باغوں کو شدید نقصان پہنچتا رہتا ہے -

یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں کہ بعض حیوانات کس طرح بعض نئے پیدا ہونیوالے حالات کا اپنے آپ کو عادی بنالیتے ہیں - چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ نیوزیلینڈ کے جنوبی حصہ میں ایک خاص قسم کا طوطا پایا جاتا ہے جسکو «کی آ» کہا جاتا ہے ، یہ شروع شروع میں تو بیج ، پھل اور کیڑوں پر زندگی بسر کرتا تھا ، لیکن جب وہاں بھیڑیں لائی گئیں اور انکی پرورش کی جانے لگی تو یہ طوطا انکی پیٹھ پر بیٹھ کر اپنی مضبوط اور نوکدار چونچ سے انکی پیٹھ کو نوچ نوچ کر سوراخ کرنے لگا -

اب اگر ہم کو چوہوں سے بے حساب نقصان پہنچ رہا ہے اور تکلیف ہو رہی ہے تو اسکی ذمہ داری خود ہم پر ہی ہے یہ دراصل ہم ہی ہیں ، جنہوں نے چوہوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے بہترین اور آسان ذریعے بہم پہنچائے ہیں - یہ ہماری ہی غلطی ہے کہ ہم نے ان کے لئے کافی سے زیادہ کھانے پینے کی چیزیں مہیا کی ہیں ، اور یہ ہماری ہی بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے انکے دشمنوں یعنی لومڑی ، بلی اور بلی نما حیوانوں کی تعداد گھٹا دی ہے - مختصر یہ کہ ہم نے چوہوں کو پالتو بنا لیا ہے - یہ چوہے اپنے اصلی اور پہلے وطن سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئے - یہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سیاہ دوسرے بھورے -

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پلیگ (یعنی طاعون) جیسے مرض کو پھیلانے کے ذمہ دار چوہے ہی ہیں۔ ہمارے ملک پر طاعون کے بیشمار حملے ہوچکے ہیں اور اکثر ہوتے رہتے ہیں اور ان حملوں کی تباہ کاری سے ہر شخص واقف ہے۔ لیکن اب سے تقریباً ایک سو سال پہلے، لندن میں جو پلیگ پھیلا تھا اور جسکا ذکر تاریخ انگلستان میں «کالی موت» یا «بڑا طاعون» کے نام سے کیا جاتا ہے، نہایت ہی تباہ کن اور خطرناک تھا، جسکی مثال کہیں نہیں ملتی۔

چوہوں کی پیداوار بہت حیرتناک ہوتی ہے، اور ان کی وجہ سے ایک پورے جہاز کا غرق ہو جانا، کچھ ناممکن بات نہیں۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ فن لینڈ میں، کسی زمانے میں، چوہوں کی اتنی کثرت ہوگئی تھی کہ وہ گھر میں رہنے والوں کی ٹوپیوں اور بستروں میں اپنا گھر بنالیتے تھے۔

اب ذرا چوہوں کی پیداوار پر ایک نظر ڈالئے۔ فرض کیجئے کہ چوہے کا ایک جوڑا ایک سال میں چھے جھول بچے دیتا ہے اور ہر جھول میں آٹھ بچے ہوتے ہیں، اور جب یہ بچے ۳½ مہینے کے ہو جاتے ہیں تو وہ خود بھی بچے پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح سال کے آخر میں ان کی تعداد (۸۸۰) ہو جائیگی، (لیکن شرط یہ ہیکہ نر اور مادہ برابر برابر تعداد میں پیدا ہوں اور ان میں سے کوئی فوت نہ ہو) ایک ریکارڈ (یادداشت) سے پتہ

چلتا ہے کہ دو چوہوں نے ۱۳ مہینوں میں ۲۶ جھول بچے دئے، اور اس طرح جملہ (۱۸۰) بچے پیدا ہوئے۔ لیکن عملی طور پر غالباً ان کی تعداد اس نظری تخمینہ سے دوگنی ہو جائے گی۔ مگر قدرت میں پیدائش کی اس قوت کو عام طور پر ہمیشہ قائم نہیں رکھا جاتا۔ ورنہ اگر پیداوار کی ایسی ہی کثرت ہو جائے تو اندازہ لگایا جاتا ہے کہ چھ برس میں چوہوں کی تعداد (۹۵۰) ارب سے زیادہ ہو جائے گی۔

اکثر لوگ چوہے کو بے ضرر اور زیادہ نقصان پہنچانیوالا حیوان نہیں سمجھتے۔ موجودہ زمانے میں مغربی ملکوں کے مقابلہ میں طاعون، مشرقی ملکوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ پلیگ کے جراثیم، چوہے میں نہیں بلکہ پسو میں پائے جاتے ہیں (شکل۔ ۴۰) ہوتا یہ ہے کہ پسو، چوہے کا خون چوستا ہے اور جب پسو میں طاعون کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، اور وہ چوہے کو کاٹتے ہیں تو چوہا طاعون سے مر جاتا ہے۔ پسو اس چوہے سے نکل کر دوسرے چوہے پر حملہ کرتا ہے اگر چوہا نہ ملے تو پھر انسان کو کاٹتا ہے اور اس طرح آدمی مرض طاعون میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پہلی جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے طاعون، سیلون کی بندرگاہ کولمبو سے شروع ہوا تھا، اور وہاں سے پھر جنوبی ہندوستان تک پہنچ گیا۔ چوہا طاعون کی خبر دینے کا ایک ضروری آلہ بنایا جا سکتا ہے، اور اس کی روک تھام کے لئے یہ نہایت

ضروری ہے کہ طاعون سے متاثرہ چوہوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو، اس سے پہلے کہ وہ آدمی پر حملہ کرے، تباہ و برباد کردیا جائے۔

چوہے بڑے ہوشیار سیاح ہوتے ہیں، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بڑی آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ دنیا کی مختلف بندرگاہوں میں طاعون کے حملے اکثر و بیشتر ہوتے رہتے ہیں لیکن وہاں سامان کے ساتھ ساتھ چوہوں کی منتقلی کی طرف کوئی توجہ نہیں کیجاتی۔ اور صرف طاعون ہی نہیں بلکہ بعض دوسری معدہ کی بیماریاں بھی چوہوں سے پھیلتی ہیں۔

بہت سے کیڑوں کی طرح چوہوں کی غذا بھی پوری طرح اناج اور پھل ہیں اور ان سے بھی زراعت کو کیڑوں کی طرح لاکھوں روپیہ کا سالانہ نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ ایک ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوہوں سے، صرف انگلستان میں، سالانہ زراعتی پیداوار میں تقریباً ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کا گھاٹا ہوتا ہے۔ جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

چوہوں سے زراعت کے علاوہ لکڑی کے سامان، فرنیچر، کپڑوں، کاغذ اور چمڑے کے قیمتی سامان کو بھی بھاری نقصان پہنچتا ہے۔

ان نقصانات اور بربادیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے جو کیڑوں اور بعض دوسرے پرندوں اور دودھ پلانیوالے حیوانوں سے

ہوئے ہیں ، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ایک باقاعدہ مہم ، تہذیب کے ان دشمنوں کو مارنے اور ان کی روک تھام کے لئے ، ہر ملک میں شروع کردیجائے ، اور اس طرح ملک کو کروڑوں روپیوں کے مالی نقصان اور جانی اتلاف سے بچایا جائے ۔

انسانی تہذیب ، صنعتوں اور تندرستی کے ان دشمنوں کے علاوہ ، جنکا ابھی ذکر کیا جاچکا ہے ، بعض اور بھی حیوانات ایسے ہیں جن سے انسان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے ۔ مثلاً سانپ ، شہروں میں تو سانپ زیادہ نظر نہیں آتے ۔ اسکے علاوہ اگر شہر یا بڑے قصبات میں کسی کو سانپ کاٹے تو فوراً اسکا علاج بھی ہوسکتا ہے ۔ لیکن دیہاتوں ، جنگلوں اور کھیتوں میں رہنے والے دیہاتیوں اور کسانوں کے لئے سانپ ایک مستقل خطرہ ہیں ۔ خاص کر ہندوستان میں ، سانپ کے کاٹنے سے ہر سال سیکڑوں انسان فوت ہوجاتے ہیں ۔ شیر ، چیتے اور بعض دوسرے درندوں سے ہر سال جو جانیں جاتی ہیں ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے ، کیونکہ ایسے حادثے اتفاقی طور پر پیش آیا کرتے ہیں ۔

•

اُردو اور انگریزی اصطلاحیں

(الف)

ابا بیل	...	Swallow.
آبدوز کشتی	...	Submarine.
اتحاد	...	Cooperation.
ادب	...	Literature.
آڈوبن (مسٹر)	...	Audobon (Mr).
آرماڈیلو	...	Armadillo.
ارنا بھنیسا	...	Bison.
آژدھا	...	Python.
اسٹروتھیو (شتر مرغ)	...	Struthio.
اسٹوٹ (بلی کی قسم)	...	Stoat.
اِسٹکل بیک مچھلی	...	Stickle-back fish
اسکوئڈ	...	Squid.
اسکیٹ مچھلی	...	Skate-Fish
آسی رس	...	"Asiris"
اصول فطرت	...	Law of nature.
افعال ـ کام	...	Functions.

"Aker"	...	آقر دیوتا
Acquired characters.	...	اکتسابی سیرتیں یا نئی حاصل کی ہوئی خصلتیں
Octopus.	...	آکٹوپس (آٹھ بازوؤں والی مچھلی)
Jaguar.	...	امریکی چیتا
Anaconda.	...	اناکونڈا (سانپ)
Vengeance.	...	انتقام
Anthropoid Ape.	...	انسان نما بندر یا (میمون)
Anubis.	...	انوبس
Antiochus.	...	آنٹی اوکس
Otter.	...	اود بلاؤ
Higher grade or class.	...	اونچا درجہ
Apis Bull.	...	«اے پس» بیل
Epiphanes.	...	ایپی فینس
Airedales.	...	اِیرڈیل (کتا)
Arius Fish.	...	اے ری اس مچھلی
Elizabeth.	...	ایلیزبیتھ
Emu.	...	ایمو (شتر مرغ)
Anti-gas mask.	...	اینٹی گیس ماسک
Adrew Lang.	...	اینڈریو لینگ
Angler Fish.	...	اینگلر مچھلی

(ب)

بار آوری یا قوت تولید	...	Fecundity.
باز	...	Falcon.
باز منقاری کچھوا	...	Hawks.-bill turtle.
بالغ - پختہ - جوان	...	Adult, mature.
بانجھہ	...	Sterile.
ببر	...	Lion.
بحری شیر ، سمندری شیر	...	Sea-lion.
برقی رے مچھلی	...	Electric Ray.
برقی عضو	...	Electric organ.
برقی مچھلی	...	Electric Fish.
بگلا	...	Heron.
بل	...	Bell (Mr.).
بلڈ ھاؤنڈ (کتا)	...	Blood-hound.
بمباردی بھوانرا	...	Bombardier beetle.
بوزہ - منڈا	...	Ibis.
بوزنہ (بندر)	...	Baboon.
بوم - چغد - اُلو	...	Owl.
بوباستیس	...	Bubastis.
بھروپ بھرنا (مستوریت)	...	Mimicry.

Wasp.	...	بھڑ (زنبور)
Dragon-fly	...	بھنبھیری
Devil.	...	بھوت
Beetle.	...	بھونرا
Wolves.	...	بھیڑئے
Weever-bird.	...	بیا
Velvet-Mite.	...	بیر بھوٹی
Bard.	...	بیرڈ
Invertebrate.	...	بے ریڑھ (غیر فقری)
Berezov.	...	بیری زوف
Benu.	...	بینو

(پ)

Leaf-Insect.	...	پات کیڑا (چوب حشرہ)
Pike-Fish.	...	پانک مچھلی
Moths.	...	پتنگے
Muscles.	...	پٹھے - عضلات
Feather.	...	پر
Fin.	...	پر (مچھلی کا)
Broken Wing-trick.	...	پر شکستگی کا فریب
Pergaud (Mr).	...	پرگاد (مسٹر)

Bird-eating spider.	...	پرندخور مکڑی
Prince of Rome.	...	پرنس آف روم
Flight.	...	پرواز - اڑان
Prezemysl.	...	پریزیمسل
Flea.	...	پسو
Plutarch.	...	پلوٹارک
Plover.	...	پلور (چڑیا)
Shelter.	...	پناہ گاہ
Penguin.	...	پنگوئن
Water-snake.	...	پنہیا سانپ
Trap-spider.	...	پھندا مکڑی
Traps.	...	پھندے
Reproduction.	...	پیدائش - تولید

(ت)

Training.	...	تربیت
Division of labour.	...	تقسیم کار
"Thoth"	...	« تھاتھہ »
Thebas.	...	تھیبس
Partridge.	...	تیتر

(ٹ)

Torch-light.	...	ٹارچ لائٹ
Grass-hopper.	...	ٹڈا
Locust-swarms.	...	ٹڈی دل
Trypanosome.	...	ٹرپنوسوم
Truffule hunting.	...	ٹرفل ھنٹنگ
To-to.	...	ٹو - ٹو
Tadpole.	...	ٹیڈپول

(ج)

Instinct.	...	جبلت
Passions.	...	جذبات
Mixing sexually.	...	جنسی طور پر خلط ملط ہونا
Amphibia.	...	جل تھلیا
Ship-molluscs.	...	جہازی سیپیاں
Prawn, Cary-Fish.	...	جھینگا
Cockroach.	...	جھینگر

(چ)

Stick-Insect.	...	چوب کیڑا (حشرہ)
Flat-Fish.	...	چپٹی مچھلی
Fat.	...	چربی - شحم

چرخ (لکڑ بگھا) تڑس ... Hyaena.

چغـــد ... Owl.

چکما بوزنہ ... Chacma baboon.

چمپا نزی ... Chimpanzee.

چنگال ... Claw, Pedipalp.

چوب جون ... Wood-lice.

چوبی کھٹمل ... Wood-bug.

چھچھو ندر ... Mole.

چینی ترکسانی مرغی ... Pheasant.

« حزنیہ » ... Tragedy.

حشرات (کیڑے) ... Insects.

حکمران طبقہ ... Royals.

حیـــوان ... Animal.

حیوانوں کی قومیت ... Caste among animals.

حیوانیات (زوالوجی) ... Zoology.

حیوانیاتی باغ یا چڑیا گھر .... Zoological garden.

(خ)

خارپشت (سی ارچن) ... Sea-urchin.

خشکی کے بھدے مینڈک ... Toad.

خول ، صدف ، سیپی ... Shell.

خون کے سرخ دانے ، ذرے ... Red-blood. corpuscles.

(د)

Prophet David.	...	داؤد (پیغمبر)
Tailor-bird.	...	درزی پرندہ
Seal.	...	دریائی بچھڑا (سیل)
"Dua".	...	« دوآ »
Bivalved Mollusc.	...	دو خولدار سیپ
Mammals.	...	دودھ پلانے والے حیوانات (میملس)
Termite or white ants.	...	دیمک

(ڈ)

Dolphin.	...	ڈالفن
Driver-ants.	...	ڈرائیور چیونٹیاں
Sting.	...	ڈنک ، نیش
Fishing-rod	...	ڈور اور کانٹا ، گل یا ڈگن
Carapace.	...	ڈھال
Delines (Mr.).	...	ڈیلائنس (مسٹر)

(ذ)

Intellingence.	...	ذہانت
Mentality.	...	ذہنیت

(ر)

« را » (دیوتا) ...	"Ra."
رانلڈ راس ...	Ronald Ross.
راھب (گوسائیں یا سادھو) کیکڑا ...	Hermit crab.
رھی آ ، (شتر مرغ) ...	Rhea.
روئی کا کیڑا ...	Cotton-worm.
ریبٹ (خرگوش کی ایک قسم) ...	Rabbit.
ریپٹائل (یعنی رینگنے والا ... ریڑھ دار حیوان)	Reptile.
ریڑھ کی ہڈی والا حیوان ...	Vertebrate.
ریکارڈ (یاد داشت) ...	Record.
ریگ بھڑ (زنبور) ...	Sand-wasp.
ریلی ، ڈاکٹر ...	Riley, Dr.

(ز)

زرہ ...	Armour.
زونی ...	Zuni.

(س)

سارا سانی ...	Sara-cani.
ساراسینی ...	Saracens.
سارس - لق لق ...	Crane.

Herbivorous.	...	سبزی خور
Red Indians.	...	سرخ ہندوستانی
Cold-blooded animals.	...	سرد خون کے حیوانات
Winter sleep.	...	سرمائی نیند
Burrow.	...	سرنگ
Sucker.	...	سکر - چپکنے والی تختی
Secretary-bird.	...	سکریٹری پرندہ
Soldier.	...	سولجر (سپاہی)
Society.	...	سماج - سوسائٹی
Social life.	...	سماجی زندگی
Social organisation.	...	سماجی نظام
Sea-lion.	...	سمندری شیر
Conjugation.	...	سنجوگ - ملاپ
Gold-fish.	...	سنہری مچھلی
Proboscis.	...	سونڈ
Ink-sac.	...	سیاھی کی تھیلی
"Sebek".	...	« سیبک »
Serapis.	...	سیرالپس
Tse-tse fly.	...	سی سی مکھی
"Sef".	...	« سیف »

سینٹ پیٹرس برگ	...	St. Petersberg.
سینگ دار مینڈک (غوک)	..	Horned toad.

(ش)

شارک مچھلی	...	Shark fish.
شاہ یا نر	...	King or Male.
شتر مرغ	...	Ostrich.
شکرا	...	Hawk.
شہد کا چھتہ	...	Honey-comb.
شیاما	...	Black-bird.

(ص)

صلیب احمر	...	Red-cross

(ط)

طاقتور حیوانات	...	Samson of the animal world.
طفیلی	...	Parasite.
طفیلی حیوان	...	Parasitic animals.

(ع)

عروسانہ پرواز	...	Nuptial flight.
عصبی ڈور	...	Nerve-cord.
عقاب	...	Eagle.

(غ)

غال (قوم)	...	Gauls.
غوطه زن یا غوطه خور	...	Diver.

(ف)

فارم	...	Farm.
فرانسس پٹ	...	Francis Pitt.
فرانکو پرشین	...	Franco-Prussian
فصلی چوہے	...	Crop-rats.
فعلیاتی	...	Physiological.
فیل مرغ	–	Turkey.

(ق)

قاز (بڑی بطخ)	...	Duck.
قانون قدرت	...	Law of Nature.
قطب شمالی	...	North Pole.
قوت استدلال	...	Power of reasoning.
قومیت	...	Caste system.

(ک)

کاٹنے یا کترنے والے دانت	...	Incisor theeth.
کارکن (مزدور) ورکر	...	Worker.
کاکاتوا	...	Cacatoo.

Cholera.	...	کالرا (ہیضہ)
Spine.	...	کانٹے نما سخت (شوکہ)
Cricket.	...	کرکرا
Insectivorous.	...	کرم خور
Cassawary.	...	کساوری (شتر مرغ)
Struggle for existence.	...	کشمکش زندگی
Collies.	...	کولی (ایک قسم کا کتا)
Catter-pillar.	...	کمبل کا کیڑا (لاروا)
Canary.	...	کناری
Canezza.	...	کنیزا
Kober (Dr.)	...	کوبر (ڈاکٹر)
Kola Bear.	...	کولا ریچھ
Comstock.	...	کومسٹاک
Salt or Sea-water.	...	کھارا پانی ، سمندری پانی
Khensw.	...	کھنسو
Kohler (Dr.)	...	کوہیلر (ڈاکٹر)
"Kea".	...	« کی آ »
Quiche.	...	کیشے
Crab.	...	کیکڑا
Kallima.	...	کیلما (تتلی)

Kangaroo.	...	کینگرو
Cuveir.	...	کیونے

(گ)

Grouse.	...	گراؤس (پاموز کبوتر)
Greenland whale.	...	گرین لینڈ وھیل
Counting.	...	گننا ۔ شمار کرنا
"Gaur Ox".	...	« گور بیل »
Sparrow.	...	گوریا (گھرمیں رہنے والی چڑیا)
Gorilla.	...	گوریلا
Carnivorous.	..	گوشت خور یا گوشت کھانیوالے
Grass-snake.	...	گھاس کا سانپ
Gharial, Gavial.	...	گھڑیال
Tentacles.	...	گیرے
Galatia.	...	گیلیشیا

(ل)

Larva.	...	لاروا (سروہ) یا پھلروپ
Llama.	...	لاما (امریکی اونٹ)
Spittle-Iesect.	...	لعابی کیڑا
Hyaena.	...	لکڑبگھا (چرخ) - تڑس
London Tower.	...	لندن ٹاور

لوا (تھرش)	...	Thrush.
لیکو پولس	...	Lycopolis.
« لینڈ اینڈ واٹر »	...	"Land and Water".
لینٹو پولس	...	Leontoplis.

(م)

ماٹا - ٹورو	...	Mata-toro.
ماحول (ارد گرد کے حالات)	..	Environment.
مادام موسس	...	Madam Moses.
مامتا	...	Mother-love.
ماہر حیاتیات ، بیالوجسٹ	...	Biologist.
ماہر حیوانیات (زوالوجسٹ)	...	Zoologist.
مایا	...	Maya.
مچھلی مار	...	King-fisher.
محافظ دستہ	...	Body-gaurd.
مردم خور	...	Man-eater.
مرغابی	...	Water-hen.
مرلن	...	Merlin.
مرمیکوفیگس	...	Myrmecophagus.
مستوریت (بہروپ بھرنا)	...	Mimicry.
مصنوعی - بناوٹی	...	Artificial.

Spider	...	مکڑی
Spider's web.	...	مکڑی کا جالا
Crocodile.	...	مگر - مگر مچھ
Conjugation or Pairing.	...	ملاپ - سنجوگ
Malaya.	...	ملایا
Queen.	...	ملکہ
Millions Fish.	...	ملی آنس مچھلی
Memphis.	...	ممفس
Mendis.	...	منڈس
Ant-eater.	...	مور خور (چیونٹی کھانیوالا)
Morewood.	...	مور ووڈ
Maoris.	...	موری (قوم)
Spur	...	مہمیز
Fresh-water.	..	میٹھا پانی (دریا - تالاب کا)
Mac-gillwaray.	...	میکگلورے
Mammal.	..	میمل (دودھ پلانے والاحیوان)

(ن)

Coconut-crab.	...	ناریل کیکڑا
Botany.	...	نباتیات (باٹنی)
Napolean.	...	نپولین

Male, king.	...	نر (بادشاہ)
Breeding or Reproduction.	..	نسل کی افزائش تولید ۔ پیدائش
Development.	...	نشو و نما ، نمو
Discipline.	...	نظم یا ضبط
Self-denial.	...	نفس کشی
Psychology.	...	نفسیات
Psychologist.	...	نفسیات کا ماہر
Psychological.	...	نفسیاتی
Migration.	...	نقل مکان کرنا
Drone.	...	نکھٹو (نر شہد کی مکھی)
Lightproducing or Phosphorescent organ.	...	نور آفرین عضو یا روشنی پیدا کرنیوالا ، جسم کا کوئی حصہ
Sting.	...	نیش ۔ ڈنک
Sting Ray.	...	نیش رے مچھلی یا ڈنک والی مچھلی
Nematocyst.	...	نیش کیسہ ۔ ڈنک کی تھیلی
Sleeping sickness.	..	نیند کی بیماری یا مرض نوم
Neuremberg.	...	نیورمبرگ
Mnevis.	...	نیوس
Mongoose.	...	نیولا (منگوس)

(و)

Watson.	...	واٹسن
Epidemic.	...	وبا
Wenzel.	...	ونزل
Whale.	...	وھیل
Weasel.	...	ویزل (بلی کی قسم کا ایک جانور)

(ہ)

Hottentots.	...	ہاٹنٹاٹ
Harpoon.	...	ہار پون
Hanover.	...	ہانور
Hydra.	...	ہائیڈرا
Hippopotamus.	..	ہپوپوٹامس یا دریائی گھوڑا
Hammer-headed Shark fish.	...	ہتوڑا سر شارک مچھلی
Hermopolis.	...	ہرمو پولس
Centipedes.	...	ہزار پا (سینٹی پیڈز)
Hellenic.	...	ہلینی
Henry VIII.	...	ہنری ہشتم
Swan.	...	ہنس
Hare.	...	ہیر (خرگوش کی قسم)

ہیروڈ وٹس	...	Herodotus.
ہیلیو پولس	...	Heliopolis.

(ی)

یونانی	...	Greeks.

کتب نما

BIBLIOGRAPHY

	NAME OF THE BOOK	AUTHORS' NAME	PUBLISHER
1.	A Picture Book of Evolution.	BEADNELL, C. M.	Watts & Co. London (1934).
2.	The Races of Man.	BEAN, R. B.	Chapman & Hall Ltd., London (1935).
3.	Everyday Doings of Insects.	CHEESMAN, E.	George G. Harrop & Co. London (1930).
4.	How Animals Live.	DOWSETT, J. M.	Hutchinson & Co. Ltd., London.
5.	Wonders of Animal Life.	HAMMERTON, J.A.	The Waverly Book Co. Ltd , London.
6.	The Romance of Bird Life.	LEA, JOHN.	Seeley, Service & Co. Ltd., London.
7.	The Royal Natural History (Vols. I & VI).	LYDEKKER, R.	Frederick Warne & Co. Ltd., London and New York(1922).
8.	The Animal World.	NEEDHAM, J. G	Chapman & Hall Ltd London (1935).
9.	A Text-Book of Zoology (Vols. I & II).	PARKER & HASWELL.	Macmillan & Co. Ltd. London (1930).
10.	Natural History.	REGAN, T.	Ward, Lock & Co. Ltd., London (1936).
11.	The Study of Animal Life.	THOMSON, J. A.	John Murray, London (1923).
12.	Natural History.	WOOD, J. G. REV.	George Routledge & Sons, London.